قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ التبلیغ کا

چوبیسواں وعظ مسمی بہ

محاسن الاسلام

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی

حسب فرمایش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

بماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۷ھ

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع کرایا گیا

الوعظ المسمی بہ
محاسن الاسلام

عہ کہتا ہے وعظ سنکر رسالہ رب جم گئے ثبتہم اللہ و ایانا علی دینہ القویم و اماتنا و ایاہم علیہ و حشرنا معہ نبیہ الکریم ....

این	کہاں ہوا	انچولی۔ ضلع میرٹھ مکان منشی عزیز الرحمن صاحب۔
متی	کب ہوا	۱۰ شوال ۱۳۳۱ھ بروز یکشنبہ بوقت صبح ۸ بجکر ۳۰ منٹ پر شروع ہوا۔
کم	کتنی دیر ہوا	۳½ گھنٹہ ہوا ۱۲ بجکر ۵ منٹ پر ختم ہوا ....
کیف	کیونکر ہوا	کھڑے ہو کر ....
لم	کیوں ہوا	منشی عزیز الرحمن صاحب نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تھا حج سے پہلے انہوں نے احباب کا مجمع کرنا چاہا جسکا بہترین طریقہ مجلس وعظ کا انعقاد طے کیا۔
ماذا	کیا مضمون تھا	اسلام کی خوبیاں بیان فرمائیں اور مخالفین کے مشہور اعتراضوں کا بھی جواب دیا۔
من خوطب	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً اور نومسلموں کو خصوصاً اور ان مضامین کا مستحضر رکھنا مبلغین اسلام کو بہت ضروری ہے۔
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ ووفقہ اللہ لما یحب ویرضی ورزقہ عاقبۃ حسنی
المستمعون	سامعین کی تعداد	تقریباً (۴۰۰) مرد اور مجمع مستورات اسکے علاوہ تھا۔
الاشتات	متفرقات	منشی عزیز الرحمن صاحب نے بعد وعظ کے اعلان کیا کہ جو لوگ دیہات سے آئے ہیں وہ کھانا کھا کر جائیں چنانچہ بہت سے ملکانے راجپوت بھی ٹھہر گئے اور اس وعظ کی برکت سے یہ ہوا کہ ان لوگوں نے ساری عمر گائے کا گوشت نہ کھایا تھا مگر اسدن بہت شوق سے کھا گئے اور آپس میں وہ یہ باتیں کرتے تھے کہ دیکھا جی ہمارا ہی مذہب سچا ہے بھلا آریوں میں بھی کوئی ایسا ہی جو اسطرح چار گھنٹے تک کھڑا ہو کر بیان کرتا رہے پھر انکی سب باتیں سمجھ میں آتی ہیں دل کو بھی لگتی ہیں اور آریوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں معلوم کیا کہا کرتے ہیں بس جی۔عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلے اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم - اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم - قال اللہ تبارک وتعالی ان الدین عند اللہ الاسلام

عہ یہ سب قصہ منشی عزیز الرحمن صاحب کی زبانی معلوم ہوا ۱۲ جامع -

یہ ایک لمبی آیت میں سے چھوٹا سا ٹکڑا ہے اسکے متعلق اسوقت مجھے کچھ بیان کرنا ہی جس کا خلاصہ اسلام کی فضیلت ہے چنانچہ آیت ہی کو سنکر اکثر حضرات نے عموماً اور بعض حضرات نے خصوصاً اس مقصود کو سمجھ لیا ہوگا۔ ہرچند کہ اسلام کی فضیلت کا ہر مسلمان کو اعتقاد ہے مگر جو درجہ اُسکی فضیلت کا ہے اس درجہ کا استحضار بہت کم لوگونکو ہے چنانچہ عنقریب واضح ہو جائیگا پس یہ اشکال مندفع ہوگیا کہ یہ مضمون تو ہر شخص کو معلوم ہے پھر اس کے بیان کرنیکی کیا ضرورت تھی وجہ اندفاع یہ ہے کہ جس درجہ کا علم ہونا چاہیئے اُس درجہ کا علم حاصل نہیں ہے اسلئے اسپر تنبیہ کرنیکی ضرورت ہے۔ اسلام کی فضیلت اس درجہ کی ہے کہ اُس سے بڑھکر کوئی بھی فضیلت نہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ فضیلت ہے کہ اگر وہ حاصل نہو تو ضرر کچھ نہیں یہ درجہ فضیلت استحباب کا ہے ایک درجہ فضیلت کا وہ ہے کہ اگر اُسکو حاصل نہ کیا جائے تو ضرر ہوتا ہے اُسکا حاصل کرنا ضروری اور ترک ناجائز ہے یہ فضیلت فرض کہلاتی ہے اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھکر ہے وہ یہ کہ تمام فرائض کی تحصیل کسی خاص فضیلت کی تحصیل پر موقوف ہو کہ بدون اُسکے کوئی فرض ادا نہیں ہو سکتا سبکی صحت اُسپر موقوف ہے یہ درجہ بھی گو فضیلت فرض ہی کی ایک فرد ہے لیکن تمام افراد میں سب سے اعلیٰ ہے یہ درجہ اسلام و ایمان کو حاصل ہے کہ اسکا حاصل کرنا خود بھی فرض ہے اور تمام فرائض کا موقوف علیہ بھی ہے اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسلام کی فضیلت کا کتنا بڑا درجہ ہے آج کل عام طور پر مستحبات میں فرض سے زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں چنانچہ نوافل و مستحبات کا جو پابند ہو اُسکی بہت تعریف کیجاتی ہے گو وہ فرائض کو اچھی طرح بھی نہ ادا کرتا ہو اور جو شخص محض فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہو مگر اُنکو اچھی طرح ادا کرتا ہو اُسکی زیادہ قدر نہیں کیجاتی نہ بہت تعریف ہوتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اُونھہ یہ کرتا ہی کیا ہے مگر حقیقت اسکے خلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ فرض کی فضیلت مستحبات و نوافل سے بڑھی ہوئی ہے اور ثواب بھی اُسی میں زیادہ ہے اس سے بڑھکر اُسکی کیا فضیلت ہوگی کہ وہ ضروری ہے اور مستحب ضروری نہیں تو فرض کا وہ درجہ ہے جو غذا کا درجہ ہوتا ہے اور نوافل و مستحبات کا درجہ

تمہید

ضرورت اختیار مضمون

تفضیل اسلام اور اس کی قسمیں فضیلت

آجکل افضل یا مستحب کو فضیلت فرض پر ترجیح

چٹنی کے مثل ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کو چٹنی سے زیادہ فضیلت ہے محض چٹنی بدون غذا کے بےسود ہے اور غذا بدون اُسکے بےسود نہیں اس مسئلہ کو حدیث[ع] میں بھی صاف بیان کیا گیا ہے فقہار نے بھی اسکو طے کر دیا ہے اور صوفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب زیادہ ہوتا ہے اس سے ہماری غلطی معلوم ہو گئی کہ آجکل اُن لوگوں کی زیادہ قدر ہے جو مستحبات میں مشغول ہوں گو فرائض میں کوتاہی کرتے ہوں اور تعجب یہ ہے کہ فرض ادا کرنے والا بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا یہ خیال کرتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں صرف فرائض ادا کرتا ہوں اسمیں دربردہ فرائض کا استخفاف ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنیکی توفیق کم ہوتی ہے اور جو مستحب میں مشغول ہو گو فرائض ولایتی طریقہ سے ادا کرتا ہو لوگ بھی اوسکے معتقد ہیں اور وہ خود بھی اپنا معتقد ہوتا ہے سمجھتا ہے کہ میں رات کو جاگتا ہوں گو فرائض میں بھاگتا ہی ہو بھاگنا یہ کہ صرف اُٹھک بیٹھک کرتا ہے ارکان کو تعدیل سے ادا نہیں کرتا۔ اسی غلطی کا اثر یہ[ف۱] ہے کہ لوگونکو نعمت اسلام کی قدر زیادہ نہیں۔ اگر کوئی شخص دولت اسلام سے مشرف ہو اور دیگر فرائض وواجبات میں کوتاہی کرتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے کچھ نہیں حالانکہ اُسکے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے یعنی اسلام گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اُسکو گناہ ہو لیکن پھر بھی اُسکے پاس ایک ایسی دولت ہے کہ اگر اُسکو صحیح سلامت اپنے ساتھ لیگیا تو انشاء اللہ نجات ہو جائیگی اسی مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے ارشاد ہے[ف۲] ان الدین عند اللہ الاسلام کہ دین خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے اہل علم اسکو سمجھتے ہیں کہ یہ ترکیب مفید حصر ہے جس سے گونہ قوت پیدا ہو گئی مضمون میں اس سے اسلام کی فضیلت ظاہر ہے کہ وہ ایسا دین ہے کہ خدا کے نزدیک

[illegible]

[illegible]

ع اشارة الی حدیث اخرجہ البخاری عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیئ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ الحدیث کذا فی المشکوة (ص ۱۶۵ ج ۱) مطبوعة المطبعة النظامیة الدھلویة ۱۲ جامع

وہی مقبول ہے یہاں یہ شبہ ظاہر میں ہو سکتا ہے کہ ادیان تو بہت ہیں پھر اسکا کیا مطلب کہ خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے یوں فرمانا چاہئے تھا کہ دین حق صرف اسلام ہی ہے مطلق دین کو اُسمیں منحصر کرنا کیسا میں کہتا ہوں کہ حصر کے علاوہ یہ دوسرا مبالغہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے ۲ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے پس ہر چند کہ مطلب تو یہ ہے کہ دین کامل اسلام ہی ہے اور یہ حصر بلا کلام صحیح ہے کیونکہ دوسرے بعض ادیان یا تو اصل ہی سے حق نہیں اور یا منسوخ ہیں مگر مطلق کو منحصر کرنے میں ایک قسم کا دعویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ایسا کامل دین ہے جسکے سامنے اور مذاہب اس قابل نہیں ہیں کہ اُنکو دین کہا جائے چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے کہ بس حسین تو فلاں شخص ہے جسمیں دعویٰ ہے کہ اُسکا حُسن ایسا کامل ہے کہ دوسرے حسین اس قابل نہیں ہیں کہ اُنکو اُسکے سامنے حسین کہا جائے اس ادعا کیوجہ سے مطلق کا حصر کر دیا جاتا ہے یہی صورت اس جگہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ گو ادیان اور بھی ہیں مگر اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اُسکے سامنے دوسرے ادیان دین کہلانیکے مستحق نہیں ہیں یہ فضیلت تو اس آیت میں مذکور ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ط کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو طلب کریگا وہ ہرگز قبول نہو گا۔ یہاں حقیقت کے موافق کلام فرمایا گیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو بھی دین کہدیا گیا مگر اسلام کے مقابلہ میں اُنکو غیر مقبول قرار دیا گیا یعنی اسلام کے بغیر کسی دین کے اختیار کرنے سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ کہ فضیلت کے اولاً دو درجے ہیں ایک فرض کا ایک استحباب کا پھر فرض میں بھی دو درجے ہیں ایک وہ جو مطلق نجات کا مدار ہو دوسرے وہ جو نجاتِ کامل کا مدار ہو اور ظاہر ہے کہ درجۂ اول درجۂ ثانی سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ ایک کام تو وہ ہے جس کے بغیر نجات تو ہو سکتی ہے مگر کامل نجات نہو گی مثلاً فوراً دخول جنت نہو گا کچھ دنوں کے بعد ہو گا اور ایک کام وہ ہے جسکے بغیر

نجات ہو ہی نہیں سکتی نہ کامل نہ ناقص۔ اسلام اسی درجہ کا فرض ہے کہ اسکے
بغیر نجات کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام سے بڑھکر
کسی چیز کی فضیلت نہیں یہ تمام اعمال فرائض میں سب سے بڑی نعمت ہے
مستحبات وسنن کے ترک سے تو عتاب ہوتا ہے مگر عتاب کا نہونا بھی ممکن ہے
اور فرائض وواجبات کے ترک سے عذاب ہوگا اور ممکن ہے کہ کبھی بدون عذاب
ہی کے مغفرت ہوجاوے اور ایسا ہوگا بھی یعنی یہ محض امکان عقلی ہی نہیں
بلکہ اسکا وقوع بھی ہوگا بعض گنہگار بدون عذاب ہی کے بخشدیئے جائینگے
معتزلہ کے سوا کسی کا اسمیں اختلاف نہیں ہے اُنکے نزدیک گنہگار کو عذاب ہونا لازم ہے
تماشا ہے نہ معلوم ان لوگوں کی عقل کہاں گئی وہ خدا کے ذمہ عقاب و ثواب کو واجب
کہتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ قانون کا تابع کرتے ہیں حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ
قانون بنانیوالا قانون کا تابع نہیں ہوتا بلکہ خود قانون اُسکے تابع ہوا کرتا ہے اگر اُنکے
نزدیک عذاب و ثواب کا وجوب عقلی ہے اس سے واجب کا مضطر ہونا لازم آتا ہے اور
اضطرار امارات حدوث سے ہے اور واجب اضطرار سے منزہ ہوتا ہے اور اگر یہ وجوب
شرعی ہے تو اسکے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے اگر وہ دلیل میں آیات وعید کو پیش
کریں تو ہم آیات عفو و مغفرت و شفاعت کو پیش کرینگے جنسے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ
بہت سے گناہوں کو بدون عذاب کے بھی معاف کردیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ان اللہ
لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ باقی جن آیات میں افعال کبیرہ کا
عقاب مذکور ہے وہاں استحقاق مراد ہے لزوم وقوع مراد نہیں یعنی کبائر سے وہ شخص
عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے وقوع عقاب لازم نہیں ممکن ہے حق تعالیٰ ویسے ہی بخشدیں
باقی وقوع کے متعلق آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الخ سے صاف معلوم ہوگیا
کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک و کفر کے کہ انپر عذاب لازم ہے یعنی
شرعاً غرض گناہ کبیرہ تو بدون عقاب کے معاف ہوسکتا ہے مگر کفر و شرک کا ارتکاب
بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا اسپر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابد الآباد کیلئے جسکا انقطاع

بعض گناہوں کی مغفرت بدون عذاب کے بھی ہوگی بجز کفر و شرک کے کہ اس کی مغفرت نہیں

کبھی نہو گا۔ یہ جرم کسی طرح معاف ہوگا نہ عذاب سے نہ بغیر عذاب کے۔ آجکل بعض لوگوں نے اسلام پر اعتراضونکی فہرست میں ایک یہ اعتراض بھی داخل کیا ہے کہ مسلمانونکے نزدیک کبائر بھی بدون عقاب کے معاف ہوجاسکتے ہیں تو اس اعتقاد کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانونکو کبائر پر اقدام زیادہ ہے وہ بڑے سے بڑا جرم کرکے بھی نجات کے امیدوار رہتے ہیں میں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اقدام جرائم اگر اس عقیدۂ اسلام کا ثمرہ ہوتا تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ جن لوگونکو اسلام سے جتنا زیادہ تعلق ہے مثلاً علماء و اتقیاء و صوفیہ انمیں یہ ثمرہ زیادہ ظاہر ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب کے ثمرات کا ظہور انہی لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جنکو مذہب سے تعلق زیادہ ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں اور کفار بھی اسکا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلام سے تعلق زیادہ ہے وہ جرائم کا ارتکاب تو کیا کرتے وہ تو شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں چنانچہ ہمارے ایک دوست کا جو کہ بی اے ہیں واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کررہے تھے انکے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا اسٹیشن پر تنگئ وقت کیوجہ سے وہ اسکو وزن نکرا سکے اسوقت تو جلدی میں سوار ہوگئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جاکر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نکرا سکا اب آپ اسکو وزن کرلیں اور جو محصول میرے ذمہ ہو اسکو وصول کرلیجئے بابو نے انکار کیا کہ مجکو فرصت نہیں تم ویسے ہی لیجاؤ ہم تم سے محصول نہیں لیتے انہوں نے کہا کہ صاحب آپکو اس معافی کا کوئی حق نہیں کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپکو محصول مجھسے لینا چاہئے مگر اسنے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اسنے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لیجائیں ہم آپسے محصول نہیں لیتے انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپکو معافی کا کوئی حق نہیں اسکے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا کیونکہ انکی صورت ملانوں کی سی تھی ۔م

غرض اُن دونوں کے اوس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شخص شراب پیئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ صاحب میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو اسپر وہ دونوں بولے کہ صاحب ہمتو اسوقت اسباب وزن نہیں کر سکتے آخر یہ اسباب اُٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ اب میں ریلوے کے اس حق سے کسطرح سبکدوشی حاصل کروں آخر خدا نے امداد کی اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہی اُسکے محصول کی برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جاوے اسیطرح ریلوے کا حق اُسکو پہونچ جائیگا چنانچہ ایسا ہی کیا میرے ایک اور دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے واقعہ ہے کہ اُنکا ایک بچہ ریل کے سفر میں اُنکی ہمراہ تھا جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا مگر اُسکی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدہ سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے اُنہوں نے اُسکا پورا ٹکٹ لینا چاہا تو ساتھیوں نے بہت منع کیا کہ اسکو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے آپ آدھا ٹکٹ لیلیجیے کوئی کچھ نہ کہے گا اُنہوں نے کہا کہ بندے کچھ نہ کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائینگے کہ تمنے دوسرے کی چیز میں تھوڑی اُجرت پر بدون اُسکی اجازت کے کیوں تصرف کیا غرض اُنہوں نے پورا ٹکٹ لیا اور اُنکے ساتھی اُنکو بیوقوف بناتے رہے مگر۔

دوسرا واقعہ

ع دوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد + بھلا اسکی نظیر کوئی قوم بھی دکھلا سکتی ہے کہ ایک شخص کو ریل بابو اور اسٹیشن ماسٹر خود کہدے کہ تم بلا تکلف اسباب لیجاؤ ہم محصول نہیں لیتے اور وہ پھر بھی اُسپر اصرار کرے کہ نہیں تمکو محصول لینا پڑیگا تمکو معافی کا کوئی حق نہیں اور جب وہ کسی طرح وصول نہیں کرتے تو یہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ بمقدار محصول کے برابر خرید کر چاک کرتا ہے ۔ اور یہ صورت شبہات سے احتراز کرنیکی عام لوگونکی نظروں میں ہی ورنہ حقیقت میں یہ شبہات کی قسم سے نہیں بلکہ صریح واجب کا امتثال ہے پس اگر اس عقیدہ کا اثر اقدام علی الجرائم ہوتا تو علماء و صلحاء سب سے زیادہ بیباک اور جرائم پہ اقدام کرنیوالے ہوتے حالانکہ مسلمانوں میں یہ طبقہ جو اسلام کے حقیقی مرتبہ کو پہچانتا ہی سب سے زیادہ

جرائم سے بچنے والا اور شبہات سے احتراز کرنیوالا ہے پس معلوم ہوا کہ اس عقیدہ کا یہ اثر نہیں ہے جو ان معترضوں نے سمجھا ہے بلکہ اسکا اثر جرائم سے رُکنا اور گناہوں سے نفرت پیدا ہونا ہے جسکی وجہ میں عنقریب بتلاؤنگا کہ اس عقیدہ کا اثر گناہوں سے نفرت پیدا ہونا کسطرح ہے مگر افسوس سه

چشم بداندیش کہ برکندہ باد	عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے بداندیش کو اقدام جرائم کا سبب معلوم ہوتا ہے یہ جواب تو مشاہدہ کے متعلق ہے کہ حسًّا و مشاہدۃً اس عقیدہ کا یہ اثر جو تم بتلارہے ہو غلط ثابت ہورہا ہے اور جواب عقلی اسکا یہ ہے کہ یہ عقیدہ عقلاً اقدام جرائم کا سبب نہیں ہوسکتا کیونکہ اسکا حاصل صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جسکو چاہیں گے باوجود کبائر کے عذاب سے معاف کردیں گے جسمیں تعیین کسی کی نہیں ہے یعنی کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الٰہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظرا الی اصل الاستحقاق قانونا ۱۲ جامع) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بیفکر نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جاوے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک عنین شخص شرم وندامت کیوجہ سے خودکشی پر آمادہ ہوکر سنکھیا استعمال کرے اور اتفاقاً وہ سنکھیا کھاکر ہلاک نہو بلکہ سنکھیا ہضم ہوکر اُسکے اندر قوت مردمی پیدا کردے چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سنکھیا کھانیپر جرأت ہوسکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا مگر اتفاقاً اس شخص میں اُسکی خاصیت کا ظہور نہوا تو اُس سے خاصیت نہیں بدل گئی اسلئے مردانگی بڑہانیکے لئے سنکھیا کھانیکی نہ کوئی اجازت دیسکتا ہے اور نہ ہر شخص اسپر جرأت کرسکتا ہے علی ہذا سب لوگونکو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام وسلاطین مراحم خسروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کردیتے ہیں مگر اس علم کیوجہ سے ہر شخص کو قتل پر جرأت نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصل سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے اور مراحم خسروانہ کوئی قانون نہیں بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے کچھہ معلوم نہیں کہ وہ کسکے ساتھ

مراحم خسروانہ کا برتاؤ کرے کسکے ساتھ نکرے لہذا مراحم خسروانہ کے بہروسہ پر اقدام جرائم کی جرات نہیں ہوسکتی بعینہ اسی طرح کبائر کا بدون عذاب کے معاف ہوجانا بطور مراحم خسروانہ کے ہے پس اس مسئلہ کو اقدام جرائم کا سبب کیونکر سمجھ لیا گیا بھلا اگر کوئی شخص جنگل میں پاخانہ کرنے جاوے اور استنجے کیلئے ڈھیلا توڑتے ہوئے اُسکو زمین میں سے سونیکا گھڑا مل جاوے تو کیا اس اتفاقی بات پر بہروسا کرکے کوئی شخص بھی تجارت وزراعت سے مستغنی ہوکر بیٹھ سکتا ہے کہ مجکو بھی اسی طرح پاخانہ کرتے ہوئے سونیکا گھڑا مل جاویگا ہرگز نہیں اسی طرح اتفاقاً کسی مرتکب کبائر کا بدون عذاب کے بخشدیا جانا اتفاقی ہے اسلئے یہ اقدام جرائم کا سبب ہرگز نہیں ہوسکتا مگر پھر بھی جو لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اپنی طبیعت کے خبث سے ایسا کرتے ہیں اس عقیدہ کو اسمیں کیا دخل۔ پھر یہ جو بعض گنہگارونکی مغفرت بدون عقاب کے ہوجاتی ہے اسکی وجہ بھی معلوم ہے کہ یہ مغفرت کیونکر ہوگی یہ بھی کسی عمل صالح ہی کیوجہ سے ہوگی ابوداؤد کی ایک حدیث سے بھی یہ مسئلہ معلوم ہوا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مقدمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی اور اسطرح کہا اشهد باللہ الذی لا الہ الا ھو ما فعلت ذلک قسم اُس ذات کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے ایسا نہیں کیا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلی قد فعلت ولکن غفر اللہ لک باخلاص قول لا الہ الا ھو۔ حضور نے فرمایا کہ تو نے یہ کام ضرور کیا ہے (اور تیری قسم جھوٹی ہے جسکا بہت بڑا گناہ ہوتا) لیکن حق تعالی نے تجھے اس اخلاص کی برکت سے بخشدیا جو لا الہ الا ھو کہتے ہوئے تجھسے صادر ہوا نہ معلوم اُسوقت کس دل سے اُسنے خدا کا نام لیا تھا جو اسدرجہ مقبول ہوگیا۔ (یعنی اُسنے خدا کا نام اُسوقت کامل اخلاص سے لیا تھا اسکی برکت سے حلف کاذب کا گناہ معاف ہوگیا) اسکا یہ مطلب نہیں کہ حضور نے ڈگری اُسی کی کردی بلکہ محض اس گناہ کی مغفرت کا بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ جب وحی سے اُسکا کاذب فی الحلف ہونا معلوم ہوگیا تو اب ڈگری اُسکے حق میں کیونکر ہوسکتی تھی۔ تو دیکھئے گناہ کتنا سنگین تھا کہ جھوٹی قسم کھائی اور وہ بھی حضور کے سامنے۔ کہ حضور کے سامنے جھوٹی قسم کھانا ایسا ہی جیسا خدا کے سامنے

شبہ اور جواب

بعض اوقات کسی عمل صالح کی برکت سے جیسا کہ اخلاص میں ہوا گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتا ہے۔

خدا کے سامنے ہونیکا مطلب اور قرب حسی و قرب علمی میں فرق۔

اور ظاہر ہے کہ محل وزماں کی عظمت سے بھی فعل میں عظمت پیدا ہوجاتی ہے زنا کرنا گناہ ہے مگر مسجد میں زنا کرنا اور بھی اشد ہے اور اگر کوئی نامعقول کعبہ میں ایسا فعل کرے تو بہت ہی سخت ہے اسیطرح جہوٹی قسم کھانا گناہ ہے مگر حضور کے سامنے اسکا گناہ اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ آپ نائب خدا ہیں آپکے سامنے جہوٹی قسم ایسی ہے جیسے خدا کے سامنے ہو۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو اسوقت بھی جو کچھ کرتے ہیں سب خدا ہی کے سامنے ہے اور جس جگہ جو کام ہوگا وہ خدا کے سامنے ہوگا تو چاہئے کہ ہر جگہ وہی گناہ ہو جو حضور کے سامنے جہوٹی قسم سے ہوتا ہی اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت تم تو خدا کے سامنے ہو مگر خدا تمہارے سامنے نہیں اور میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کے سامنے قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا تعالیٰ کو سامنے سمجھ کر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب حسی یہ تو جہاں ہوتا ہے طرفین سے ہوتا ہے اور ایک قرب علمی یہ ایک طرف سے بھی ہوسکتا ہے پس اسوقت جو تم خدا کے سامنے ہو یہ قرب علمی ہے کہ خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر اس حالت میں تمکو قرب حاصل نہیں ورنہ ہر شخص کا مقرب ہونا لازم آئیگا اور قیامت میں جو تم خدا کے سامنے ہوگے وہ قرب جانبین سے ہوگا کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے سامنے ہوگے اور خدا تعالیٰ بھی تمہارے سامنے ہونگے نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب علمی مراد ہے اسی لئے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی ہم سے قریب ہو بلکہ صرف اپنا قرب بیان فرمایا۔ کیونکہ یہاں تماشا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہم سے قریب ہیں مگر ہم اُن سے دور ہیں ؎

یار نزدیکتر ز من بمن است	ویں عجب تر کہ من ازو دورم

اطاعت رسول کا اطاعت خدا ہونا اور اسپر مخالفین کا اعتراض مع بیان جواب کے +

تو حضور کے سامنے جہوٹی قسم ایسی ہے جیسے قیامت میں خدا کے سامنے جہوٹی قسم کھانا جبکہ تم بھی حق تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھوگے۔ یہاں شاید کسی مخالف کو یہ شبہ ہو کہ کیا مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے برابر ہیں تو انکو سمجھ لینا چاہئے کہ عبادت میں مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کوئی شریک نہیں حضور بھی اسمیں شریک نہیں ہیں اسی لئے حضور کو سجدہ کرنا نہ زندگی میں جائز تھا نہ اب آپکی قبر کو سجدہ جائز ہے مگر اطاعت میں حضور کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے نہ اسلئے کہ آپ شریک فی الاطاعت ہیں بلکہ اسلئے

کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے پیغام ہوتا ہے تو آپکا حکم درحقیقت آپکا حکم نہیں بلکہ پیغمبر ہونیکی وجہ سے وہ خدا ہی کا حکم ہے اسلئے یہ کہا جاتا ہے کہ آپکے احکام کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ - اور ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ - اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ وزیر کو حکم دیتا ہے کہ رعایا میں یہ قانون شائع کردو پس اسوقت وزیر کی زبان سے جو قانون شائع ہو رہا ہے وہ درحقیقت بادشاہ کا حکم ہے اسلئے وزیر کی اطاعت بعینہ بادشاہ کی اطاعت ہے مگر اس سے ہرگز کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہو گیا اور اگر کوئی جاہل ایسا سمجھنے لگے اور آئندہ سے بجائے بادشاہ کے تخت کو بوسہ دینے کے وزیر کی کرسی کو بوسہ دینے لگے تو یقیناً وہ معتوب ہوگا اسیطرح اگر آپ کسی مقدمہ میں ایک شخص کو وکیل کردیں تو جو کچھ وہ کہتا ہے سب آپکی طرف منسوب ہوتا ہے کہ گویا تم خود کہہ رہے ہو مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وکیل تمہارے برابر ہو گیا کہ تمہاری تمام جائداد کا مالک ہو جاوے کہ اسمیں جو چاہے تصرف کردے ہرگز نہیں پس مسلمان رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت اسی معنی کر کہتے ہیں جیسے وزیر کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور وکیل کا قول موکل کا قول ہوتا ہے خوب سمجھ لو اس سے شرکت و مساوات ہرگز لازم نہیں آتی افسوس یہ ہے کہ مخالفین اعتراض کرتے ہوئے مسائل اسلامیہ کی حقیقت کو ذرا نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو منشا اعتراض کا محض حسد ہے ورنہ مسائل اسلامیہ پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا - غرض ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ کوئی گناہ بدون عذاب کے اسلئے معاف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے پاس ایک عمل صالح اسدرجہ کا موجود ہے جو خدا کے یہاں بہت مقبول ہو چکا ہے اُسکی برکت سے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو اب کوئی شخص اس مسئلہ عفو و مغفرت کے بھروسہ کیونکر بیفکر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات تو کسی کو معلوم نہیں کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل بھی ہے جو خدا تعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ مقبول ہو چکا ہے کیا کسی کو اپنا کوئی عمل ایسا یاد ہے جو نہایت اخلاص سے ہوا ہو - اگر کوئی کہے کہ ہاں ہمکو بعض اعمال اپنے یاد ہیں جو ہمنے نہایت اخلاص سے کئے ہیں تو سمجھ لو کہ اخلاص کلی مشکک ہے جسکے تحت میں افراد متفاوتہ ہیں

کسیکو معلوم نہیں کہ میرا کوئی عمل یقیناً مقبول ہو چکا ہے اسلئے کوئی بیفکر نہیں ہو سکتا -

اشکال نمبر ۲ کا جواب

تو کسی عمل میں اخلاص ہو جانیسے یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ یہ اخلاص اُس درجہ کا ہے جس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بہر حال بیفکری کسی حال میں نہیں ہو سکتی گو نا امیدی بھی نہ چاہیئے۔
چوتھا جواب یہ ہے کہ بعض گناہوں کا بدون عقاب کے معاف ہو جانا یہ حق تعالیٰ کا عفو و کرم ہے اسکو سنکر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ بڑے ہی رحیم و کریم ہیں جو اپنے بندوں پر بیحد عنایت فرماتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ طبائع سلیمہ میں عنایت و کرم سے اطاعت و عبادت کو ترقی ہوتی ہے نہ کہ سرکشی کو۔ اگر آقا کی عنایات زیادہ ہوں تو اُسکی اطاعت کا شوق بڑھتا ہے وہ نوکر بڑا ہی پاجی ہے جو آقا کی بیحد عنایات کے بعد بھی سرکشی ہی کرے طبائع سلیمہ تو احسان و کرم و عنایات سے بندۂ بے درم ہو جاتی ہیں اسلئے یہ عقیدہ اقدام علی الجرائم کا سبب ہرگز نہیں بلکہ جرائم و سرکشی کی جڑ کاٹنے والا ہے جن لوگوں کی طبائع سلیم ہیں وہ خدا کی ان نعمتوں اور عنایتوں کو دیکھکر اور زیادہ عبادت کرتے ہیں چنانچہ جو لوگ اسلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اُنمیں یہ اثر مشاہد ہے اب اگر اس عقیدہ سے کسی میں اقدام جرائم کا وصف پیدا ہو تو کہا جائیگا کہ یہ اس عقیدہ کا اثر نہیں بلکہ اس شخص کی کجی طبع کا اثر ہے جیسے بادشاہ کا کریم ہونا طبائع سلیمہ کیلئے زیادتِ وفاداری کا سبب ہوتا ہے گو بعض نالائق بادشاہ کی کرم کیوجہ سے جرائم پر بھی دلیر ہو جاتے ہیں مگر کیا اسکا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جاویگا یا اُنکی بدطینتی کو۔ اسکا فیصلہ عقلاء خود کر سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا سے دہوکہ ہوا ہے اور وہ بیفکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اسکا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یقینًا سب گناہوں کو معاف کر دینگے کیونکہ یہاں لمن یشاء کی قید نہیں ہے سو انکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اول تو یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اسکا نزول اُن لوگوں کی بارہ میں ہوا ہے جو کفر سے اسلام کیطرف آنا چاہتے تھے مگر اُنکو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہمنے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں اُنکا کیا حشر ہوگا آیا اسلام کے بعد اُنپر مواخذہ ہوگا یا نہیں اگر مواخذہ ہوا تو پھر اسلام سے ہی کیا فائدہ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا لو اسلمنا فما یفعل بذنوبنا التی اسلفنا (او کما قالوا) کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے

آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کی تفسیر

اس آیت کا نزول نومسلموں کے بارہ میں ہے۔

متعلق کیا برتاؤ ہوگا اسپر یہ آیت نازل ہوئی جسکا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں کئے گئے ہیں سب معاف ہو جاوینگے پس اسمیں جو مغفرت کا وعدہ حتمی ہے وہ عام نہیں مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں کے گناہ بدون عقاب کے معاف نہونگے نہیں دوسروں کے بھی معاف ہونگے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن اُنکے لئے وہی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء جسمیں حتمی وعدہ نہیں بلکہ مشیت کی قید سے مشروط ہے اور اس آیت میں جو بلا قید مشیت وعدہ حتمی کیا گیا ہے یہ صرف نومسلموں کیلئے ہے کہ اسلام سے اُنکے پہلے گناہ ضرور معاف ہو جاوینگے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے اور شان نزول مثل تفسیر کے ہے بہت سے نصوص بظاہر عام ہیں لیکن شان نزول سے اُنکی تقیید کیجاتی ہے جیسے لیس من البر الصیام فی السفر بظاہر عام ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں حالانکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر سفر میں مشقت نہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث کو مقید کیا گیا ہے حالتِ مشقت کیساتھ کیونکہ حضور نے یہ ارشاد ایسے موقع پر فرمایا تھا جبکہ آپکا گذر ایسے شخص پر ہوا جو سفر میں روزہ دار تھا اور ضعف کیوجہ سے بیہوش و بدحواس ہو گیا تھا کہ لوگ اُسپر سایہ کر رہے تھے تاکہ دھوپ سے دماغ پر زیادہ گرمی نہ چڑھ جاوے اس واقعہ میں آپکا یہ ارشاد فرمانا اسکا قرینہ ہے کہ مراد ایسا سفر اور ایسی حالت ہے کہ اسمیں روزہ رکھنا خلاف افضل ہے بلکہ اگر جان کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس آیت کو شان نزول سے مقید نہیں کرتے کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اور آیت میں یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم بظاہر سبکو عام ہے خواہ نومسلم ہوں یا مسلم قدیم تو میں کہتا ہوں کہ آپ شان نزول سے مقید نہیں کرتے تو دوسری آیت سے اسکو مقید کرنا پڑیگا اور ایک آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا اتحاد واقعہ میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور آیت یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم دونوں عصاۃ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں اور ایک جگہ مغفرت بقید مشیت مشروط ہے اور دوسری جگہ مطلق ہے

شان نزول سے بھی نصوص عامہ کی تخصیص ہو جاتی ہے

آیت لاتقنطوا کے اطلاق کی حکمت

تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاویگا رہا یہ سوال کہ جب دونوں جگہ مشیت کی شرط ہے تو ایک آیت میں اطلاق کیوں رکھا گیا اسمیں نکتہ یہ ہے کہ ایک جگہ تو قاعدہ اور قانون کا بیان کرنا مقصود ہے اسلئے وہاں تو قید کو ظاہر کر دیا کہ حق تعالیٰ بدون عقاب کے بھی اگر چاہیں گے معاف کر دینگے اور دوسری جگہ مایوسین کی یاس کا زائل کرنا مقصود ہے وہاں شرط مشیت کے ظاہر کرنیسے یاس کا ازالہ نہوتا کیونکہ مایوس آدمی کو طرح طرح کے توہمات پیدا ہوا کرتے ہیں شرط مشیت کے اظہار سے اسکو اور وساوس پیدا ہوتے کہ معلوم میرے متعلق مشیت ہوگی یا نہیں تو اسکی یاس زائل نہوتی اسلئے وہاں قید کو بیان نہیں فرمایا تاکہ آیت کو سنتے ہی اسپر رجاء کا غلبہ ہو جاوے اور یاس کا غلبہ جاتا رہے اور واقعی مایوس کا علاج یہی ہے کہ اسکو ایک دفعہ کامل اطمینان دلا دیا جاوے جب وہ حالت یاس سے نکل جائے پھر اسکو تدریجاً اصل قانون سے مطلع کر دیا جاوے اسکو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنپر کبھی یہ حالت گذری ہو یہ تو حکمت ہے اس اطلاق کی اور اُسکی ضرورت بھی تھی کیونکہ اسمیں مانع اسلام کو بھی مرتفع کیا گیا ہے اگر یہ آیت نہوتی تو کفار کو سخت وسوسہ لاحق ہوتا اور وہ اسلام سے محروم رہتے اور یہ وسوسہ واقع بھی ہو چکا ہے لہذا اُنکو مطمئن کر دیا گیا کہ تم بیفکر ہو کر اسلام لے آؤ حق تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کر دینگے اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آیت لاتقنطوا میں صرف مایوسین کی یاس کا ازالہ مقصود ہے

معاصی یاس پیدا کرتے ہیں اعمال سے رجاء پیدا ہوتی ہے

اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعمال کی ضرورت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لازم نہیں بلکہ لفظ لاتقنطوا ضرورتِ اعمال پر خود دلالت کر رہا ہے کیونکہ اسمیں قنوط و یاس کی ممانعت ہے اور تجربہ ہے کہ معاصی ہیں قنوط و یاس پیدا کرنیکی خاصیت ہے رجاء بدون اعمال صالحہ کے پیدا نہیں ہوتی مجرم کو اپنے جرم کا استحضار جسوقت ہوتا ہے اُسوقت رجاء کا مضمون دل میں نہیں آسکتا اور اگر کسی مجرم کو رجاء ہوگی بھی تو کسی عمل صالح کی برکت سے ہوگی کہ اسکے پاس کوئی نیک کام ضرور ہوگا جب قنوط سے بچنا واجب ہے تو اسباب قنوط سے بچنا بھی واجب ہوگا لان مقدمۃ الواجب واجب ۔ سرکش غلام کو امید کا درجہ کبھی نصیب نہیں ہوتا جب چاہے تجربہ کر لیا جاوے ہ

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ	ولکن لسان المذنبین کلیل

واقعی مجرم کی زبان مناجات سے بھی بند ہو جاتی ہے۔ غرض اور افعال تو ایسے ہیں کہ بدون
اُنکے کبھی نہ کبھی مغفرت و نجات ہو جائیگی خواہ بعد عقاب یا قبل عقاب مگر اسلام وہ چیز ہے
کہ اسکے بغیر مغفرت و نجات ممکن نہیں یہ مطلب نہیں کہ خدا اسپر قادر نہیں کہ کافر کی مغفرت کردے
بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر کی مغفرت چاہیں گے نہیں گو قادر ضرور ہیں ورنہ تعذیب کافر پر
خدا تعالیٰ کا مضطر ہونا لازم آئیگا اور اضطرار منافی وجوب ہے اور بدون ایمان و اسلام کے
حق تعالیٰ کا کسیکی مغفرت نہ چاہنا قرآن میں جا بجا مذکور ہے چنانچہ ایک آیت تو یہی ہے ان اللہ
لا یغفر ان یشرک بہ مگر شاید کوئی اسپر یہ شبہ کرے کہ یہاں تو صرف شرک کا ذکر ہے کفر کا
ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام سے انکار کرتے
ہیں اُنکی مغفرت نہونا اس آیت میں کہاں مذکور ہے تو سنئے دوسری جگہ مذکور ہے ان الذین
کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئک ھم شر البریہ
اسمیں کافر و اہل کتاب و مشرکین کا مقسم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کیلئے خلود فی جہنم مذکور ہے
جس سے کافر کی مغفرت نہونا بھی معلوم ہو گئی اور یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں تو صرف خلود کا
ذکر ہے جسکے معنی مکث طویل کے ہیں اور اسکے لئے دوام لازم نہیں جواب یہ ہے کہ دوام
خلود کے منافی بھی نہیں پس اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو خلود سے دوام کا قصد ہو سکتا ہے اور یہاں
خلود بمعنی دوام ہونے پر قرینہ قائم ہے وہ یہ کہ مشرکین کیلئے خلود بمعنی دوام ہی ہوگا اور یہاں
کافر و مشرک دونوں کا حکم مذکور ہے جب مشرک کیلئے خلود بمعنی دوام ہے تو کافر کیلئے بھی دوام ہی
ہوگا ورنہ کلام واحد میں ایک لفظ سے جدا جدا معنی کا قصد لازم آئیگا اور یہ ممتنع ہے علاوہ
ازیں یہ کہ بعض آیات میں کافر کیلئے خلود کو دوام سے موصوف بھی کیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ
ارشاد ہے والذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار الی قولہ تعالیٰ کلما ارادوا ان یخرجوا
منہا من غم اعیدوا فیہا اور ارشاد ہے والذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ
ثم ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللہ لھم۔ پس اب کافر کا بھی ہمیشہ کیلئے معذب ہونا
صاف طور پر معلوم ہو گیا جس سے اُسکی عدم مغفرت بھی سمجھ میں آگئی ہوگی اور یہاں سے

ایک اشکال کے مندفع ہونے پر تنبیہ کئے دیتا ہوں، وہ یہ کہ خلود کے معنی مکث طویل ہونیسے اوس آیت کی تفسیر واضح ہوگئی جو قاتل عمد کے بارہ میں وارد ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا۔ کہ اس سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اسمیں خلود بدون قید دوام مذکور ہے اور خلود دوام کو مستلزم نہیں نہ یہاں کوئی قرینہ ارادۂ دوام کیلئے مرجح ہے اسلئے مدلول آیت صرف اسقدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانۂ دراز تک عذاب جہنم ہوگا مگر کسیوقت نجات ہوجائیگی گو مدت دراز ہی کے بعد ہو اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اسکی توبہ بھی قبول ہونی چاہیئے، اسمیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے کہ انکے نزدیک قاتل عمد کیلئے توبہ نہیں مگر جمہور صحابہ کے نزدیک قبول ہے پھر صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کا اسپر اجماع ہوگیا کہ اسکی توبہ مقبول ہوسکتی ہے جبکہ قاعدہ شرعیہ سے ہو اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کا رافع ہوتا ہے لہذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے مگر کفار و مشرکین کیلئے دوسری بعض آیات میں خلود کیساتھ دوام بھی مذکور ہے اسلئے وہاں مغفرت کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ خلود کے معنی بہت دن رہنا ہے اور ابد وہ ہے جس کا کبھی انقطاع نہو حاصل یہ ہوا کہ کفار و مشرکین جہنم میں ایسی دراز مدت کیلئے داخل ہونگے جسکا انقطاع ہی نہو گا اور ظاہر ہے کہ کفر کہتے ہیں خلاف اسلام کو خواہ اسکی ساتھ شرک بھی ہو یا نہو دونوں کیلئے سزا ابد الآباد جہنم ہے جب ترک اسلام کی یہ سزا ہے تو اس سے اسلام کی عظمت و فضیلت اور اسکی ضرورت کا درجہ معلوم ہوگیا۔ اور ترک اسلام کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اول ہی سے اسلام قبول نکرے دوسرے یہ کہ بعد قبول کے ترک کردے دونوں صورتوں میں یہی سزا ہے بلکہ دوسری صورت پہلی سے اشد ہے چنانچہ قوانین سلطنت میں بھی باغی کی سزا اُن لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جو پہلے ہی سے اس سلطنت کی رعایا نہیں ہیں بلکہ کسی مخالف سلطنت کی رعایا ہیں ایسے لوگوں پر اگر کبھی غلبہ ہوجاوے تو انکو غلام بنا لیتے ہیں یا احسان کرکے رہا کردیتے ہیں یا عزت کیساتھ نظربند کردیتے ہیں مگر باغی کیلئے بجز قتل یا عبور دریائے شور کے کچھ سزا ہی نہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ رعایا بنکر

مرتد کا درجہ کافر اصلی سے بڑھا ہوا ہے اور اسکی وجہ۔

باغی ہوجانے میں سلطنت کی زیادہ توہین ہے اسیطرح اسلام لاکر مرتد ہوجانے میں
اسلام کی سخت توہین اور اُسکی تعلیم کو دوسروں کی نظروںمیں حقیر کرنا ہے دیکھئے ایک تو
وہ شخص ہے جس سے کبھی آپکی دوستی نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ سے مخالفت ہے اُسکی مخالفت سے
آپکا اتنا ضرر نہیں ہوتا اور اگر کبھی وہ آپکی مذمت د ہجو کرے تو لوگونکی نظروں میں اُسکی کچھ
وقعت نہیں ہوتی سب کہدیتے ہیں کہ میاں اسکو تو ہمیشہ سے اُسکی ساتھ عداوت ہے دشمنی
میں ایسی باتیں کرتا ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جو سالہا سال آپکا دوست رہا پھر یکبارگی
مخالف بن گیا اُسکی مخالفت سے بہت ضرر پہونچتا ہے اور وہ جو کچھ برائیاں آپکی کرتا ہے
لوگ اُنپر توجہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے اسکا منشا محض عداوت
نہیں ہے اگر دشمن ہوتا تو سالہا سال تک دوست کیوں بنتا معلوم ہوتا ہے کہ اسکو دوستی کی
بعد فلاں شخص کے اترے پترے معلوم ہوگئے ہیں اسلئے مخالف ہوگیا (حالانکہ یہ ضرور نہیں ہے
کہ جو شخص دوستی کے بعد دشمن بنا ہو وہ اترے پترے معلوم کرنیکے بعد ہی دشمن بنا ہو۔
ممکن ہے کہ اس شخص نے دوستی ہی اس نیت سے کی ہو کہ لوگ دوستی کے زمانہ میں مجھے
اسکا رازدار سمجھ لیں گے تو پھر مخالفت کی حالت میں جو کچھ کہونگا اُسکو یہ سمجھ کر قبول کرلیں گے
کہ یہ شخص رازدار رہ چکا ہے اسکو ضرور کچھ ناگوار باتیں معلوم ہوئی ہیں اسلئے مخالف ہوگیا
چنانچہ بعض یہود نے اسلام کیساتھ ایسا برتاؤ کرنیکا ارادہ کیا تھا وقالت طائفۃ من
اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النھار واکفروا اٰخرہ لعلھم
یرجعون طبس ہر چند کہ دوست کی مخالفت میں یہ احتمال بھی ہے مگر عادۃً لوگ دوستوں کی
مخالفت سے عموماً جلد متاثر ہوجاتے ہیں (اور اس احتمال پر نظر نہیں کرتے) اسلئے
عقلاً و شرعاً و قانوناً وہ شخص بہت بڑا مجرم شمار ہوتا ہے جو موافقت کے بعد مخالفت کرے
اسی لئے شریعت میں مرتد کیلئے دنیوی سزا بھی سخت ہے اور عذاب آخرت بھی اشد ہے
اس تقریر سے آیت کے ترجمہ د تفسیر کا بیان تو ہوگیا کیونکہ اس آیت میں اصل مقصود
اسلام کی فضیلت ہی کا بیان ہے مگر مجھے اسوقت صرف بیان فضیلت پر اکتفا مقصود نہیں

عہ عبارۃ مابین القوسین من الجامع ۱۲-

بلکہ اسپر ایک دوسرے مضمون کو مرتب کرتا ہے جسکو آئندہ بتلاؤنگا اُس سے پہلے ایک شبہ عقلی کا جواب دیدینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ شریعت میں کفر کی سزا دائمی عذاب جہنم کیوں ہے حالانکہ سزا مناسب جنایت ہونی چاہیئے اور یہاں جنایت متناہی ہے کیونکہ عمر کافر کی متناہی ہے تو سزا بھی متناہی ہونی چاہیئے اسکا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ سزا جنایت کے مناسب ہونی چاہیئے مگر کیا تناسب کے یہ معنی ہیں کہ جنایت اور سزا دونوں کا زمانہ بھی مناسب ہو اگر یہی بات ہے تو چاہیئے کہ جس جگہ دو گھنٹہ تک ڈکیتی پڑی ہو اور ڈاکو گرفتار ہو کر آئیں تو حاکم ڈاکوؤں کو صرف دو گھنٹہ کی سزا دیدے اگر حاکم ایسا کرے تو کیا آپ اسکو انصاف مانیں گے اور سزا کو جنایت کے مناسب مانیں گے ہرگز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ سزا و جنایت میں مناسبت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں کا زمانہ مناسب و مساوی ہو بلکہ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا میں شدت بقدر شدت جرم ہو اب تم خود فیصلہ کر لو کہ شریعت نے کفر کی سزا میں جو شدت بیان کی ہے وہ شدت جرم کے مناسب ہے یا نہیں اور یہ جرم شدید ہے یا نہیں شاید آپ کہیں کہ جرم شدید تو ہے مگر نہ ایسا شدید کہ اُسکی سزا ابد الآباد جہنم ہو میں کہونگا کہ یہ خیال آپکو اسلیئے پیدا ہوا کہ تمنے صرف فعل کی ظاہری صورت پر نظر کی ہے حالانکہ سزا و جزا کا مدار محض اُسکی ظاہری صورت پر نہیں ہے بلکہ نیت کو بھی اُسمیں بہت بڑا دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اصل مدار نیت ہی پر ہے چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اُسکو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے کیونکہ نیت نہ تھی اور اگر ایک شخص شراب پینے کیلئے دکان پر جائے اور دکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اُسکو دیدے جسے یہ شراب سمجھ کر پیئے تو اسکو گناہ ہوگا کیونکہ اسکی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی اسی لیئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے تو اُسکو گناہ ہوگا اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کر رہا ہوں اور اُسکی صورت ذہن میں حاضر کر کے اُس سے لذت لے تب بھی گناہ ہوگا

کافر کو دائمی عذاب ہونے پر اشکال اور اسکا جواب۔

دوسرا جواب جسکا حاصل یہ ہے کہ سزا میں نیت کو بڑا دخل ہے۔

اور اگر شب زفاف میں عورتوں نے اُسکے پاس غلطی سے بجائے اسکی بیوی کے کسی دوسری
عورت کو بھیجدیا جسکے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر ہمبستر ہوا کہ یہی میری بیوی ہے تو اسکو گناہ
نہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہوگی بلکہ وطی بالشبہ ہوگی جس سے ثبوت نسب بھی ہو جاتا ہے
اور عدت بھی لازم ہوتی ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی تو سمجھو کہ ظاہر میں گو کفر کافر متناہی ہے
مگر اُسکی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہا تو میں ابدالآباد اسی حالت پر رہونگا اسلئے اپنی نیت
کے موافق اسکو ابدالآباد جہنم کا عذاب ہوگا اور اسی طرح مسلمان کا اسلام گو بظاہر متناہی
ہے مگر اُسکی نیت یہ ہے کہ اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں تو ہمیشہ اسلام پر مستقیم رہونگا
اسلئے اُسکے لئے ابدالآباد ثواب جنت ہے اور ایک دقیق جواب یہ ہے کہ کفر سے حقوق
الٰہی کی تفویت ہے اور حقوق الٰہی غیر متناہی ہیں تو اُنکی تفویت کی سزا بھی غیر متناہی
ہونی چاہیئے اور اسلام میں حقوق الٰہی کی رعایت ہے اور وہ غیر متناہی ہیں تو اُنکی
رعایت کا بدلہ بھی غیر متناہی ہونا چاہیئے۔ الحمدللہ اب یہ اشکال بالکل مرتفع ہوگیا
اب میں اُس مقصود کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو فضیلت اسلام پر مجھے متفرع کرنا ہے
اور وہ دو مقصود ہیں ایک راجع ہے اپنی طرف دوسرا راجع ہے دوسروں کی طرف یعنی ایک
مقصود لازم ہے ایک متعدی۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام کی نعمت
جو ہمکو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی
نعمت نہیں اسکا مقتضا یہ ہے کہ ہمکو اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے مگر ہماری
حالت یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ادنیٰ نعمت پر تو شکر کرتے ہیں مگر اسلام عطا ہونے پر بہت کم
لوگ شکر کرتے ہیں اور نعمت کا ادنیٰ و اعلیٰ ہونا باعتبار اضافت و نسبت کے ہے کہ بعض
نعمتیں بعض کے مقابلہ میں ادنیٰ ہیں اور بعض اعلیٰ ہیں ورنہ فی نفسہ کوئی نعمت ادنیٰ نہیں
خدا کی نعمتیں سب بڑی ہی ہیں ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود	لیک بس عالی ست نزد خاک تود

غرض ہم لوگ شادی پر شکر کرتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ لڑکی یا لڑکے کا نکاح بخوبی ہوگیا
اسپر احباب بھی مبارکباد دیتے ہیں خود بھی ہر شخص کا دل اس نعمت سے شادان و فرحان ہوتا ہے

اسیطرح تنخواہ ملنے پر نوکری مل جانے پر شکر کرتے ہیں روٹی کھا کر بھی اللہ تیرا شکر کہہ لیتے ہیں ہر چند کہ ہمارا یہ شکر اس قابل نہیں کہ اسکو شکر کہا جاوے کیونکہ اکثر ہم لوگ دل سے شکر نہیں کرتے صرف زبان سے اللہ تیرا شکر بیساختہ نکل جاتا ہے اور اگر دل سے بھی نکلتا ہو تب بھی وہ شکر ناقص ہی ہے کیونکہ شکر کے تین درجے ہیں دل سے زبان سے افعال و اعمال سے ہملوگ اول تو محض زبان ہی سے شکر کرتے ہیں اور اگر کوئی دل سے بھی کرتا ہو تو افعال سے شکر کرنیوالے تو بہت کم ہیں اور اگر کوئی اعمال سے بھی شکر کرتا ہو جب بھی خدا کی نعمت کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ کی ہر نعمت بہت بڑی ہے ایک کا شکر بھی کماحقہ دشوار ہے خصوصاً جبکہ یہ دیکھا جائے کہ خدا تعالیٰ کا یہ انعام ہمارے اوپر ایسی حالت میں ہوا ہے کہ ہم انعام کے قابل نہ تھے بلکہ سزا کے قابل تھے۔ ہمارے ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے اُسکے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کیساتھ جو ہمارا برتاؤ ہے اُسکو کسی اور آقا کیساتھ کر کے دیکھا جائے تب حقیقت معلوم ہو کہ ہم حقیقت میں زمین کے اندر گاڑ دیئے جانیکے قابل تھے مگر پھر بھی وہاں سے انعام ہی ہوتا ہے پھر نعمت بھی ایک نہیں بلکہ واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً وباطنۃً حق تعالیٰ کی طرف سے ہمکو ظاہری و باطنی نعمتیں بیشمار عطا ہوتی ہیں باطنی نعمت سے وہ مراد نہیں جسکو تصوف کی اصطلاح میں باطنی نعمت کہا جاتا ہے تاکہ یہ شبہ پیدا ہو کہ ہم سب اہل باطن صوفی ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نعمتیں محسوس ہیں بعض غیر محسوس ہیں نعمت ظاہرہ سے محسوس مراد ہیں اور باطنہ سے غیر محسوس جسکی ایک فرد وہ بھی ہے جسکو صوفیہ کی اصطلاح میں نعمت باطنی کہتے ہیں مگر سب میں اُسکا وجود ضروری نہیں کیونکہ یہاں یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تمام نعم ظاہرہ اور تمام نعم باطنہ ہر شخص کو عطا ہوئی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو نعم ظاہرہ و باطنہ سے کچھ حصہ ضرور ملا ہے جسکے لئے یہ لازم نہیں کہ ہر شخص میں سب کی سب مجتمع ہوں بہر حال ہر شخص کو ظاہری اور باطنی نعمتیں بمقدار کثیر حاصل ہیں تو جب ایک نعمت کا شکر ہمسے ادا نہیں ہو سکتا تو بمقدار کثیر کا شکر کیونکر ادا ہو سکتا ہے یہ تو حقیقت کے اعتبار سے ہے مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہی کہ وہ ہمسے شکر حقیقی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اُسی قدر کا مطالبہ فرماتے ہیں جتنا ہمسے

ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ ہم اتنا بھی نہیں کرتے کوئی محض شکر لسانی پر اکتفا کرتا ہے
کوئی محض قلبی پر کوئی دونوں کو جمع کرتا ہے تو اعمال میں کوتاہی کرتا ہے مگر خیر جیسا شکر
بھی ہم کرتے ہیں وہ دنیوی نعمتوں کے ظہور کے وقت ظاہر ہوتا ہے نعمت اسلام پر کوئی
شکر نہیں کرتا بتلائیے یہاں اتنا مجمع موجود ہے ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ چوبیس
گھنٹہ میں کوئی ساعت بھی ایسی ہوتی ہے جسمیں ہر شخص خدا تعالیٰ کا اسلئے شکر کرے
کہ اُسنے ہمکو مسلمان بنایا اسلام و ایمان عطا کیا مسلمانوں کے گھر پیدا کیا غالباً کوئی شخص
بھی ایسا نہ نکلے گا الا ماشاء اللہ۔ تو یہ ہماری کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایسی نعمت پر
شکر کی توفیق ہمکو نہیں ہوتی جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور مرنیکے بعد ہمیشہ کی
نجات کا مدار اُسی پر ہے بھلا اگر یہ نعمت سلب ہو جاوے (خدانخواستہ) تو پھر ہمارا
کہاں ٹھکانا رہیگا جب یہ اتنی بڑی نعمت ہے تو اسکا شکر نہ ادا کرنا بڑی غفلت ہے
امام ابوحنیفہ رح کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو تو ہمیشہ نعمت ایمان پر خدا کا
شکر کرتے رہو کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم میرا شکر کروگے
تو میں نعمت کو بڑھاؤنگا اُسے زیادہ کرونگا سبحان اللہ یہ نہیں فرمایا لئن شکرتم لا اسلبنکم
یا لا انقصنکم کہ اگر شکر کروگے تو میں نعمت سلب نکرونگا یا کم نکرونگا بلکہ لازیدنکم فرمایا
جسمیں زیادت کا وعدہ ہے وعدۂ زیادت سے نقصان کی نفی ہوگئی اور نفی نقصان سے
سلب کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہوگئی گویا بلاغت ہے کہ ایک لفظ ایسا فرمادیا جس سے نقصان
وسلب دونوں کی نفی بھی ہوگئی اور ترقی کا وعدہ بھی ہوگیا کوئی کلام ایسا بلیغ ہے جسکے
ایک لفظ سے اتنے معانی حاصل ہوتے ہوں اگر خدا فہم دے تو قرآن کا لفظ لفظ اعجاز
سے بھرا ہوا ہے۔ جب شکر پر وعدۂ زیادت ہے تو جو شخص نعمت ایمان پر شکر ادا کرتا رہیگا
اُسکا ایمان کبھی زائل یا کم نہوگا بلکہ دن بدن بڑھتا رہیگا پس یہ ورد دستور العمل
بنانیکے قابل ہے اگر اپنا ایمان دنیا سے سلامت لیجانا چاہتے ہو تو ایمان کا شکر کبھی
نہ بھولو۔ اللھم فلک الحمد ولک الشکر علی ما اولیتنی من نعمۃ الاسلام ولک الحمد
ولک الشکر علی ما اکرمتنی بنعمۃ الایمان اللھم توفنا مسلمین و الحقنا بالصالحین

حسن خاتمہ شکر نعمت ایمان

غیر محتاج الیہ ولا مستغنی عنہ آمین ۱۲ جامع) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میری اُمت غافل ہے یہ از خود ایمان و اسلام کا شکر بہت کم ادا کرے گی اسلئے حضور نے بعض دعائیں ہمکو ایسی تعلیم فرمائیں جنمیں اسلام کا شکر بھی ادا ہو جاتا ہے مثلاً کھانیکے بعد کیلئے یہ دعا تعلیم فرمائی الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی وجعلنی من المسلمین خدا کا شکر ہے جسنے مجھکو کھلایا اور پلایا اور مجھے مسلمانوں میں داخل کیا۔ کھانیکے میل میں اسلام پر شکر کی تعلیم فرمانے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اسمیں اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ تم ایسے نہیں ہو جو مستقلاً اسلام کا شکر ادا کرو اسلئے بچوں کی طرح روٹیوں کے بعد شکر اسلام کی تعلیم فرمائی کہ میاں اور کسیوقت شکر نکرو تو روٹیاں کھانیکے بعد تو اسلام کا شکر ادا کر لیا کرو کیونکہ اُسوقت ایک ظاہری نعمت تمہارے سامنے ہوتی ہے اُسکا شکر تو تم طبعاً ادا کرو ہی گے اُسکے ساتھ ساتھ نعمت اسلام کا شکر بھی ادا کر لو جس سے یہ سب کھانا پینا بھی نعمت ہو گیا اور اسلام کی بدولت آخرت میں بھی تمکو یہ نعمتیں نصیب ہونگی اگر نعمت اسلام نہ ہوتی تو کھانا پینا سب وبال جان ہوتا اور اسکی لذت چند روزہ ہوتی پس روٹیوں کیساتھ شکر اسلام تعلیم فرمانا ایسا ہے جیسے بچوں کو بتاشہ میں دوا دیتے ہیں افسوس ہم ایسے غافل ہیں کہ حضور ہمکو بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر شکر اسلام کی تعلیم فرما رہے ہیں اور اسیطرح اپنے کھانیکے میل میں کھانیکے بعد حضور نے ایک اور مفید دعا بھی تعلیم فرمائی ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر کھانا کھاؤ تو یوں کہو اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی یعنی دعوت کرنیوالیکو دعا دو کہ اے اللہ جس طرح اسنے ہمکو کھلایا پلایا ہے آپ بھی اسکو ہمیشہ کھلاتے پلاتے رہیں دنیا جنت کے طعام وشراب سے ممتاز فرمائیں) حضور کی تو یہ تعلیم ہے مگر یہاں یہ عادت ہے کہ کھلانیوالے کو دعا تو کیا دیتے اُسکا شکر تو کیا ادا کرتے اُلٹا کھانے میں عیب نکالتے ہیں خصوصاً رسوم کے کھانوں میں تو اکثر یہی ہوتا ہے ایک بنئے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بارات بلائی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھیا کیا تھا اسکے علاوہ چلتے ہوئے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی دی تھی یہ سب کچھ کر کے اُسکو خیال ہوا کہ آج بارات والے میری خوب تعریف کرتے جائینگے وہ اپنی تعریف سننے کیلئے اُس راستہ میں چھپکر

حضور نے ہماری غفلت کے سبب ایسی دعائیں بتلائیں جن میں شکر اسلام کی تعلیم فرمائی۔

کھانے کے بعد کی دعا میں شکر اسلام کی تعلیم میں نکتہ لطیف۔

بیٹھ گیا جہاں سے بارات گذر رہی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا کسی نے بھی تو بنئے کی دریادلی کی داد نہ دی آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی لالہ جی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی اچھے اچھے کھانے کھلائے اور چلتے ہوئے ایک ایک اشرفی دی تو دوسرا کیا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا سُسرے کے یہاں اشرفیوں کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں دو دو بانٹ دیتا تو اسکے کیا کمی آجاتی۔ لیجئے ایک ایک اشرفی بانٹ کر تو سسرے کا خطاب ملا زیادہ بانٹتا تو نمعلوم کیا خطاب ملتا اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ اُس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کیساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کے خیال کیساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں معزز ہونیکا جسکا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ اپنے وجود میں خود اوس دوسرے کے تابع ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنئے کی دکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے؟ جی ہاں ذرا منھ تو ڈالو ابھی چوہے دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کر کری ہو جائیگی اسیطرح دوسرے شخص کا اپنا خیال بدل دینا یہ جاہ کیلئے چوہے دان ہے ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی اور عزت؟ کیونکہ عزت و بڑائی سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائداد بڑھتی ہے محض دل خوش کر لو ورنہ جاہ سے تو اچکن میں ایک بٹن بھی نہیں لگتا اور جو لوگ جاہ سے نفع مالی حاصل کرتے ہیں جیسے بعض لوگ بڑا بنکر غریبوں سے بیگار لیتے ہیں یا جاو بیجا فرمائشیں کرتے رہتے ہیں اُنکی جاہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے غرض اس سے بدون خیالی نفع کے اور کچھ فائدہ نہیں ایک رئیس نے دیوبند میں بڑی دھوم دھام کی دعوت کی تھی جسمیں ہزار روپیہ صرف ہوا تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کے بعد اُن رئیس صاحب کو اس فراخ حوصلگی کی داد اسطرح دی کہ شیخ صاحب واقعی آپنے بڑی حوصلہ کا کام کیا

طالب جاہ سے بڑھ کر کوئی احمق نہیں اور جاہ کی حقیقت کا بیان۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کرکے آپنے ایسی چیز خریدی جو بازار میں پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں بک سکتی یعنی نام - اور اگر بدنامی ہوگئی تو وہ خیالی جاہ بھی جاتی رہی بس جاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہیار پوٹلا باندہے ہوئے چوڑیونکا لیجا رہا تھا ایک گنوار نے لاٹھی کا کہودا مارکر پوچھا کہ میاں اسمیں کیا ہے (گانوں والونکی عادت ہے کہ وہ لاٹھی مارکر پوچھا کرتے ہیں) اُس منہیار نے جواب دیا کہ اسمیں ایسی چیز ہے کہ ایک کہودا اور ماردو تو کچھ بھی نہیں اسیطرح جاہ ایسی چیز ہے کہ ذراسی ٹھیس میں جاتی رہتی ہے اسلئے جو لوگ نام کے واسطے روپیہ برباد کرتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں اور اس سے بڑھکر غلطی کھانیوالونکی ہے کہ وہ دوسریکا مال کھاکر شکر نہیں ادا کرتے نہ اُسے دعا دیتے ہیں ہان آجکل مُردونکو فاتحہ میں دعا دیجاتی ہے وہان بھی کھلانیوالیکو کوئی دعا نہیں دیتا حالانکہ پہلے کھلانیوالیکو دعا دینی چاہیئے اگر وہ نہ کھلاتا تو مُردونکو ثواب کیسے پہونچتا بلکہ کھانیوالونکو بھی دعا دینی چاہیئے اور اُنکا مشکور ہونا چاہیئے کیونکہ وہ نہ کھاویں تب بھی مُردونکو ثواب نہیں پہونچ سکتا میرٹھ[ف/۱] میں ایک لطیفہ ہوا کسی جگہ مُردونکی فاتحہ دی جارہی تھی اور ایک لمبی فہرست پڑھی جارہی تھی جسمیں نمبروار مُردونکے نام درج تھے جب فہرست کے ختم ہونیمیں دیر لگی تو ایک صاحب بولے کہ میاں اسمیں ہمارا نام بھی تو لکھا ہوتا کیونکہ خدا کی قسم اگر ہم نہ کھاویں تو انمیں سے ایک کو بھی تو ثواب نہ ملے گا اسپر سب لوگ ہنس پڑے اور وہ فہرست مختصر کیگئی ان رسوم میں ایسی ایک بات ضرور موجود ہوتی ہے جو اُنکے لغو و باطل ہونے پر خود دلالت کرتی ہے چنانچہ کھانے سے پہلے مُردونکا نام ترتیب وار لیا جانا یہ محض لغو حرکت ہے آخر یہ نام کسے سُنائے جارہے ہیں اگر کھانیوالونکو سُنائے جاتے ہیں کہ تم ان لوگونکی نیت کرکے کھانا تو ظاہر ہے کہ کھانیوالے جب ہاتھ دہوکر بیٹھتے ہیں اُنکو سوا کھانیکے اور کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ اتنی لمبی فہرست یاد رہ سکتی ہے اور اگر خدا کو سُنانا ہے تو اسکا لغو ہونا بالکل ظاہر ہے خدا تعالیٰ کو تو ہر شخص کی نیت کا حال معلوم ہے اُنکو سُنانیکی کیا ضرورت ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اپنی اغراض کیلئے فاتحہ وغیرہ کو دلائل سے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی خواہ مخواہ فاتحہ کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سورہ فاتحہ خاص اسیواسطے اتری ہے

چنانچہ اسکا نام ہی فاتحہ ہے سبحان اللہ کیا پاکیزہ دلیل ہے پھر یہ لوگ علماء سے بحث کر کے دقائق علمیہ کو سمجھنا چاہتے ہیں اور جب نہیں سمجھتے تو علماء پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ ہمکو سمجھا نہیں سکتے ۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو کھانیکے بھی سب آداب بتلائے ہیں جنمیں ضمناً اسلام پر بھی شکر کی تعلیم فرمائی ۔ اب سمجھئے کہ شکر کے معنی ہیں قدردانی کی اسیواسطے خدا تعالیٰ کا نام شکور ہے کہ وہ اعمال کی قدر کرتے ہیں ۔ قدر کی دو صورتیں ہیں اگر یہ شخص حاجتمند ہے تو اسکی قدر تو یہ ہے کہ اُس سے منفعت حاصل کرے اور منعم کا احسانمند رہے اور اگر حاجتمند نہیں ہے تو اُسکی قدر یہ ہے کہ اُس فعل کی جزا و صلہ عطا کرے چنانچہ حق تعالےٰ کو شکور اسی معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں اُنکی قدردانی یہی ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا صلہ دیتے ہیں اور بندہ کی قدردانی یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ منافع حاصل کرے جنکے لئے وہ موضوع ہیں مثلاً روٹی کی قدر یہ ہے کہ اُسے کھاؤ پانی کی قدر یہ ہے کہ پیو اور برف کی قدر یہ ہے کہ اُس سے ٹھنڈک حاصل کرو اگر کوئی شخص برف کو پانی میں گھولکر معمولی بوتل کے اندر رکھدے تو کہا جاتا ہے کہ اسنے برف کی قدر نہیں کی یعنی جس منفعت کیلئے وہ موضوع تھا اُس سے وہ نفع حاصل نکیا اسلئے ناقدری کی ۔ اسیطرح اسلام کا شکر یہ ہے کہ اُسکی قدر کرو اور قدر یہ ہے کہ اُسکی برکات و منافع حاصل کرو اب سنو کہ اسلام کی منافع کیا ہیں سو سمجھنا چاہئے کہ اسلام کے دو درجے ہیں ایک درجہ تلفظ و اقرار شہادتین کا ہے کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ادنیٰ کے معنی یہ ہیں کہ ایسا ضروری ہے کہ اسکے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی یہ برکت تو ادنیٰ درجہ سے حاصل ہو جاتی ہے کہ اُسکی بدولت کسی نہ کسی وقت جہنم سے چھٹکارا ہو جاویگا اور ایک درجہ اس سے اعلیٰ ہے کہ شہادتین کا اقرار کر کے فرائض و واجبات اسلامیہ کی پابندی بھی کیجائے اس سے نجات کامل حاصل ہوتی ہے کہ بدون عذاب کے جنت میں جانا نصیب ہوتا ہے اور بڑے بڑے درجات ملتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نجات کامل کیلئے تکمیل اسلام کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص نجات کامل ہی کا متوقع ہوتا ہے مقدمات میں ہر شخص کو یہی کوشش ہوتی ہے کہ کسیطرح بدون

شکر کے معنی اور اقسام ۔

شکر اسلام کے معنی اور اسلام کے درجات ۔

سزا و جرمانہ کے رہائی ہو جاوے اسکا متوقع کوئی نہیں ہوتا کہ بس رہائی ہو جائے خواہ سزا ہی کے بعد سہی اسیطرح ہر مطلوب میں انسان کو درجۂ کمال ہی مطلوب ہوتا ہے تو اسلام میں بھی درجۂ کمال مطلوب ہونا چاہیئے دیکھئے مکان دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہے جسمیں گوندے کی دیواریں ہیں نیچی چھت ہے نہ ہوا کا آرام نہ دہوپ کا پاخانہ باورچیخانہ سب ایک ہی جگہ آس پاس ہیں اور ایک وہ مکان ہے جسکا صحن وسیع ہے ہوا کا بھی آرام ہے اور دہوپ کا بھی دیواریں بھی مضبوط ہیں چھت بھی اونچی ہے غسلخانہ بھی ہے ہوا کیلئے روشن دان اور کھڑکیاں بھی ہیں تمام ضروریات اعلیٰ پیمانہ پر ہیں پھر اُسمیں زینت و آرائش بھی ہر قسم کی ہے خود فیصلہ کر لیجئے کہ مطلوب کونسا مکان ہوگا اسیطرح کپڑا ایک تو وہ ہے جو بدنما بدصورت ہونیکے ساتھ اتنا کم ہے جسکو کفن کیطرح لپیٹ لیا جاوے (یعنی بدن ڈہانکنے سے قاصر ہے) ایک وہ کپڑا ہے جس سے بدن بخوبی چھپ سکتا ہے خوشنما خوبصورت ہے عمدہ سلا ہوا ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ایسا ہی کپڑا مطلوب ہوگا نہ پہلا تو دنیوی امور میں ہر شخص درجۂ کمال کا طالب ہے درجۂ نقصان پر کوئی اکتفا نہیں کرتا بلکہ کمال کی کوشش کرتا ہے مگر دینی کاموں میں ہماری یہ حالت ہے کہ درجۂ نقصان پر راضی ہیں حصول کمال کی کوشش نہیں کرتے چنانچہ بہت لوگ اسلام میں درجۂ ادنیٰ یعنی تلفظ شہادتین پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور نماز وغیرہ کی پروا نہیں کرتے اسمیں علاوہ اس خرابی کے کہ انکا اسلام ناقص ہے اور فرائض ترک کرنیسے عذاب ہونیکا اندیشہ ہے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں پر دشمنوں کے دندان آز تیز ہوتے ہیں ۔ تجربہ ہے کہ مخالف کو اُس مسلمان کے بہکانیکی جرأت ہوتی ہے جسکا اسلام ناقص ہے کافر اُسی مسلمان کو اپنے پھندے میں لانیکی کوشش کر سکتا ہے جسکا اسلام کامل نہیں بلکہ برائے نام ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جن لوگوں کا اسلام کامل ہے اُنپر میرے اغوا کا اثر نہیں ہو سکتا ہاں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں کہ سوائے اپنے کو مسلمان کہنے کے اور کوئی بات اسلام کی اُنکے اندر موجود نہیں وہ جلد ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں اسلئے وہ ایسے لوگوں پر اپنے دانت تیز کرتے ہیں چنانچہ آجکل جو فتنۂ ارتداد چل رہا ہے اُسکے شکار ایسے ہی مسلمان ہو رہے ہیں جنکو نہ کلمۂ توحید یاد ہے

ناقص اسلام والوں پر دشمنوں کے دندان آز تیز ہوتے ہیں۔

نہ نماز روزہ کے پابند ہیں نہ صورت وضع مسلمانوں کیسی ہے نہ معاشرت مسلمانوں جیسی ہے
صورت سے کوئی شخص اُنکو مسلمان نہیں کہہ سکتا مگر چونکہ وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور اُنکے
آباؤ اجداد بھی مسلمان تھے اسلئے شرعاً وہ مسلمان ہیں اور اُنکے اسلام کی حفاظت ہمارے
ذمہ ضروری ہے۔ بہرحال تکمیل اسلام کی ضرورت عذاب سے بچنے کیلئے تو ہے ہی مخالفونکے
پھندونسے بچنے کیلئے بھی اسکی ضرورت ہے اگر دفعتہً پوری تکمیل نہو سکے تو چند باتونکی ضرورت
تو بہت سخت ہے ایک یہ کہ سب مسلمان نماز کی پابندی شروع کردیں تجربہ ہے کہ نمازی کو
کوئی شخص بہکانیکی جرأت نہیں کرسکتا جس مسلمان کو کفار نماز کا پابند دیکھتے ہیں اُس سے
بالکل مایوس ہوجاتے ہیں کہ یہ کبھی ہمارے بہکانے میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ اسکو پکا مسلمان
سمجھتے ہیں پس خدا کیلئے تم نماز کی پابندی تو ابھی سے شروع کردو یہ اسلام کا بڑا پہرہ
دار ہے واقعی اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِط کی ایک تفسیر ابھی سمجھ میں آئی۔
مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ نماز مسلمان کو برے کاموں سے روک دیتی ہے اسپر ظاہر میں اشکال
پڑتا ہے کہ ہم تو بہت نمازیونکو بُرے کام کرتے دیکھتے ہیں اور اُسکا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے
بُرے کام ضرور کم ہوجاتے ہیں اگر اس شخص کی نماز کامل ہے خشوع و خضوع و جملہ آداب
کیساتھ ہے تب تو یہ شخص بالکل بُرے کاموں سے محفوظ ہوجائیگا اور اگر اسکی نماز ناقص
ہے تو جیسی نماز ہے اُسی کی مناسب بُرے کام چھوٹ جاینگے غرض جس درجہ کی نماز
ہوگی اُس درجہ کی نہی عن الفحشاء ہوگی تجربہ کرلیا جاوے کہ دو جماعتونکا امتحان کرکے
دیکھو ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسری وہ جو نمازی ہے گو اُنکی نماز کسی درجہ
کی ہو یقیناً نمازی جماعت کے اندر بُرے کام کم ہونگے اور بے نمازیوں میں اُنکی نسبت سے
زیادہ ہونگے۔ تو مشہور تفسیر پر اشکال واقع ہوتا تھا جسکا جواب دینے کی ضرورت
ہوئی مگر جو تفسیر اسوقت القا ہوئی ہے اُسپر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز
اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے اور اُسکے بہکانیسے روک دیتی ہے اسکی
تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان
گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے اور اسکا اقرار کفار کو بھی ہے چنانچہ منکر کے پاس اذان دینے سے

حفاظت اسلام کا سہل طریقہ نماز کی پابندی ہے۔

آیۃ ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر کی عجیب تفسیر۔

وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اذان کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے جمیں وہ اذان دیتے ہیں انکو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو ہمنے اُسکی چمک نکالنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی کہ اُسکو توپ کے پاس رسوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانیکا حکم دیا تھا جس سے اُسکی چمک جاتی رہی تھی تو ہمارے دیوتا اگر اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہمکو بہت مضر ہے مسلمان جب چاہا کرینگے اُنکو بھگا دیا کرینگے لہذا اُنکی چمک نکالنی چاہیئے اور مسلمانوں سے کہنا چاہیئے کہ خوب زور سے اذان دیں یہ تو ہمارے ہی واسطے مفید ہے غرض جب کفار کے دیوتا اذان سے بھاگ جاتے ہیں تو جس گانو میں اذان ہوگی وہاں کفار بھی نہ آسکیں گے اور اگر آویں گے بھی تو اُنکے حوصلے پست ہو جائینگے بس یہ تفسیر اس آیت کی بہت عمدہ لطیف ہے اور واقعی اسپر کوئی بھی اشکال نہیں چنانچہ اسوقت جو لوگ بھی دشمنوں کے بہکانے سے مرتد ہوئے ہیں یہ وہی ہیں جنکو نماز سے کچھ علاقہ نہ تھا اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ فتنۂ ارتداد سے بچنے کیلئے خود بھی نماز کی پابندی شروع کریں اور دیہات میں بھی مسلمانوں کو نمازی بنانیکی کوشش کریں حفاظت اسلام کیلئے ایک تو یہ عمل ضروری ہے۔ دوسرا کام یہ کریں کہ کسی بزرگ اللہ والے سے تعلق پیدا کریں یعنی اُس سے بیعت ہو جائیں یہ عمل بھی حفاظت اسلام کیلئے بڑا سنگین پہرہ دار ہے میرے ایک دوست کانپور رہتے تھے (جو مجھ سے بیعت بھی ہیں) اُنکے پڑوس میں مشن کا ایک عیسائی رہتا تھا وہ کمبخت روز اُنسے مذہبی گفتگو کرتا تھا اور اسلام سے بہکانا چاہتا تھا ایک دن اُن دوست نے باتوں باتوں میں اُس سے یہ کہدیا کہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا معتقد ہوں بس یہ سنکر پھر کبھی وہ اُنکے پاس آکر نہ پھٹکا اور دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ عیسائی یہ کہتا تھا کہ جو لوگ بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں اُنپر ہمارا داؤ نہیں چلتا واقعی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو جماعت میں شامل رہنا چاہیئے کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو پھاڑتا ہے جو گلہ سے الگ ہو جاوے مشہور ہے کہ بھیڑیا

حفاظت اسلام کیلئے ایک اور عمل کی ضرورت

گلہ پر حملہ نہیں کرتا بلکہ جب کوئی بکری گلہ سے الگ ہوتی ہے اُسے پھاڑ کھاتا ہے پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ والوں سے تعلق پیدا کریں اور اُنکے سلسلہ میں داخل ہو جاویں اِس عمل میں دفع بلاء کی بڑی برکت ہے پھر تمکو کوئی بہکانے نہ آویگا اور اگر کوئی آوے تو تم اُس سے کہدو کہ ہمتو فلاں بزرگ سے بیعت ہیں جو طریقہ اُنکا ہے وہی طریقہ ہمارا ہے اگر تمکو کچھ کہنا ہے تو اُنسے جاکر کہو اُنکو سمجھا لو اگر وہ اپنا طریقہ بدلدینگے تو ہم بھی بدل سکتے ہیں ورنہ ہمتو اُسی کے ساتھ رہیں گے بس بزرگوں کا نام سُنکر پھر کبھی وہ تمکو بہکانے نہ آوے گا اور بزرگوں سے تعلق پیدا کر کے مہینہ دو مہینہ میں اُنکے پاس بھی جانا چاہئے اُنکی صحبت سے نور ایمان کو ترقی اور اسلام کو پختگی حاصل ہوگی پس حفاظت اسلام کیلئے یہ دو عمل ہوئے ایک نماز دوسرے کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرنا ایک تیسرا ضروری عمل اور ہے وہ گائے کا گوشت کھانا ہے گائے کا گوشت کھانیوالے کو کوئی ہندو نہیں بہکا سکتا۔ بکری کا گوشت کھانے تک تو بکری کا احتمال رہتا ہے مگر گائے کا گوشت کھانیکے بعد پھر کچھ ڈر نہیں رہتا اور اگر اُسکو ذبح کرنے لگو پھر تو تمہاری صورت دیکھکر ہندو بھاگنے لگیں گے چنانچہ ہندوستان میں جن لوگوں کا پیشہ گائے ذبح کرنا ہے اُنپر ہندوؤں کو کسیوقت یہ طمع نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں ایک ظرافت کا قصہ ہے ایک دفعہ ریل کے سفر میں ہمارے ایک دوست نے گائے کے ہڈے سے پستول کا کام لیا تھا ریل میں مسافروں کا ہجوم بہت تھا ایک ایک ڈبہ میں چالیس سے اوپر آدمی بھرے ہوئے تھے جب پھر بھی آمد کم نہوئی تو ان حضرت نے کھانیکا دسترخوان بچھا لیا جسمیں گائے کا گوشت تھا ہندو آتے اور گائے کا گوشت دیکھکر رام رام کہتے ہوئے وہانسے چل دیتے جب کھانا کھا چکے تو ہمارے دوست نے ایک بڑا سا ہڈا ہاتھ میں لے لیا اور جو ہندو آتا اُسے وہ ہڈا دکھا دیتے کہ یہاں جگہ نہیں آگے جاؤ اُس ہڈے کی صورت دیکھتے ہی کوئی ہندو وہاں نہ ٹھہرتا اسلئے اُسکا نام پستول رکھا گیا تو جس چیز کی صورت سے کفار بھاگتے ہیں اُسکو تم کھانے لگو گے تو پھر وہ تمہارے پاس کب آنے لگے بس گائے کا گوشت کھانیسے تو تم بیفکر ہو کر جنت کے گاؤ تکیہ سے لگا کر بیٹھ جاؤ گے بخدا تجربہ نے بتلادیا کہ ہندوستان میں

حفاظت اسلام کیلئے تیسرے عمل کی ضرورت۔

گائے کا گوشت کھانا ہی کامل مسلمان ہونا ہے بدون اسکے یہاں اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی چنانچہ جو لوگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے ہندو اُنکے فعل کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ انکی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان خوشی سے نہیں ہوئے اسیلئے اسلام کے بعد بھی اپنی اصلی حالت پر قائم رہے گویا ہندوؤں نے اس قول میں خود اقرار کرلیا کہ کامل مسلمان وہی ہے جو گائے کا گوشت کھاتا ہے اور جو گائے کا گوشت نہیں کھاتا اُسکو وہ لوگ بھی ہندوؤں سے قریب اور مسلمانوں سے بعید سمجھتے ہیں پھر اب ذبیحۂ گاؤ کے شعارِ اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا۔ شعار اسلام کے اور کیا سینگ ہوتے ہیں بس جو چیز عام طور پر اسلام و کفر میں امتیاز پیدا کرنیوالی ہو وہی شعارِ اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندوؤں سے امتیاز گائے کے ذبح اور اُسکا گوشت کھانے ہی سے ہوتا ہے اور اسوقت تجربہ نے بتلا دیا کہ جو لوگ اس شعار اسلام کے تارک تھے زیادہ تر وہی فتنۂ ارتداد کے دام میں مبتلا ہو رہے ہیں اور جو اس شعار کو اختیار کئے ہوئے ہیں اُنکی طرف کوئی رُخ بھی نہیں کرتا تو یہ علاوہ شعار اسلام ہونیکے بڑا سنگین پہرہ دار بھی ہے جیسے ابھی میں نے قصہ بیان کیا کہ ہمارے ایک دوست نے گوشت کے ہڈے کو پستول بنایا تھا واقعی یہ پستول سے بھی زیادہ کار آمد ہے کہ مشرکین اسکی صورت سے بھاگتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آجکل بعض علماء کو بھی ذبح گاؤ کے شعار اسلام ہونے میں شک ہے مگر یہ وہ علماء ہیں جو محض الفاظ کے جاننے والے ہیں اور دین کی فہم سے بالکل کورے ہیں۔

گو بات تو کہنے کی نہیں ہے مگر ضرورت کیوجہ سے کہتا ہوں کہ آجکل بہت سے عالم محض الفاظ کے عالم ہیں جنکا فہم درست نہیں محض کتابیں ختم کرکے عالم کہلانے لگے بعض کی تو یہ حالت ہے کہ درسیات سے فارغ ہو گئے ہیں مگر کتابیں سمجھکر نہیں پڑھیں اور جنہوں نے کتابیں سمجھکر پڑھی ہیں اُنکا علم بھی ہنوز کتابی علم ہے جو اسرار شریعت سمجھنے کیلئے ناکافی ہے یاد رکھو اس سے کچھ کام نہیں چلتا کہ دو چار آدمی تمکو مولانا اور مولوی کہنے لگے

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

جہلاء کی تعظیم و تکریم اور اُنکے مولوی کہنے سے تم سچ مچ مولوی نہیں ہوسکتے بلکہ ضرورت اسکی ہے

(۱) ذبح گاؤ کا شعار اسلام ہونا اور شعار کے معنی۔

(۲) بہت سے عالم محض الفاظ کے عالم ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو	پیش مرد کاملے پامال شو

نور فہم تقویٰ اور حال سے پیدا ہوتا ہے اور حال پیدا ہوتا ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے کیونکہ یہ نفس بدون اسکے سیدھا نہیں ہوتا۔ جب تک اپنے کو کسی کامل کے اسطرح سپرد نہ کرو گے کہ وہ تمہاری ذات میں جو چاہے تصرف کر سکے اُسوقت تک شہوات واغراض نفسانیہ سے نجات نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے دین کو اغراض کے تابع کر رکھا ہے کہ جب موقع ومحل دیکھا اُسیکے موافق فتویٰ تراش لئے بھلا ایسا علم بھی کچھ کام دیسکتا ہے یہ علم ابن آدم پر خدا کی حجت ہے جس کیوجہ سے آخرت میں جہلاء سے زیادہ اُسپر مواخذہ ہوگا۔ بعض لوگوں کو معالجہ نفس کا کچھ خیال بھی ہوتا ہے تو وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے عمل شروع کرتے ہیں اور کتابیں دیکھ دیکھ کر مجاہدات وریاضات میں مشغول ہو جاتے ہیں مگر یاد رکھو کہ کتابی نسخوں سے شفاء حاصل نہیں ہو سکتی اگر اسطرح شفاء ہو جایا کرتی تو دنیا میں ایک بھی مریض نہ رہتا کیونکہ طب کی کتابیں بیشمار موجود ہیں اردو میں بھی اُنکے ترجمے ہو گئے ہیں جنمیں ہر قسم کے امراض کا علاج درج ہے بس ہر شخص کتابیں دیکھ کر علاج کر لیا کرتا طبیبوں کی ضرورت نہوا کرتی مگر تجربہ شاہد ہے کہ اسطرح شفاء حاصل نہیں ہوتی بدون رجوع الی الطبیب کے چارہ نہیں یہی حال معالجہ نفس کا ہے کہ اسمیں بھی بدون کسی ماہر طبیب روحانی کے کامیابی نہیں ہوتی جو لوگ خود بخود کام شروع کرتے ہیں اُنکی حالت یہ ہے کہ جہاں کچھ سرسراہٹ معلوم ہوئی وہ اپنے کو کامل سمجھنے لگے حالانکہ سرسراہٹ کو کامیابی سے کچھ بھی علاقہ نہیں بس یہیں پھر وہی کہوں گا ع بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را ۱ [illegible]

کسی کامل کو اپنا رہبر بناؤ اُسکے سامنے اپنی چاندی سونا پیش کرو وہ کسوٹی پر رکھ کر دیکھے گا ۲ [illegible]
اُسوقت حقیقت منکشف ہوگی ورنہ ظاہر میں تو کھوٹی اور کھری چاندی یکساں ہی معلوم ہوا کرتی ہے بلکہ بعض دفعہ کھوٹی چاندی بڑی بھڑکدار ہوتی ہے اور کھری چاندی میلی کچیلی خراب ہوتی ہے مگر آگ میں تپانے سے کھوٹی چاندی کی ساری بھڑک دور ہو کر اندر سے تانبا وغیرہ نکل آتا ہے اور کھری چاندی آگ میں ڈالتے ہی میل کچیل سے صاف ہو کر عمدہ نکلتی ہے اسلئے کسی کی ظاہری ریاضت ومجاہدہ سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور نہ صوفیوں کو

اپنے احوال وکیفیات یا سرسراہٹ سے اپنا معتقد ہونا چاہیئے بہت لوگ اس غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے کو صاحب نسبت سمجھتے ہیں مگر واقع میں اُنکو نسبت مع اللہ حاصل نہیں کیونکہ نسبت نام ہے تعلق طرفین کا چنانچہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ نسبت کیلئے طرفین سے تعلق کی ضرورت ہے ایکطرفہ تعلق کو نسبت نہیں کہا کرتے پس بہت لوگ ایسے ہیں کہ اُنکو تو خدا سے تعلق ہے کہ اُسکی یاد اور ذکر میں مشغول ہیں ملکۂ یادداشت بھی حاصل ہے جو کہ تھوڑی سی مشق سے حاصل ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو اُنسے تعلق نہیں تو بات کیا ہے کہ ان لوگونکو خدا کی ساتھ محض یاد کا تعلق ہے اور یہ تعلق یکطرفہ ہے عمل واطاعت سے تعلق دوطرفہ ہوتا ہے جب انسان عمل واطاعت کا اہتمام کرتا ہے اُسوقت حق تعالیٰ کو بھی اُس سے تعلق ہو جاتا ہے اور اطاعت فقط نماز ونوافل اور روزہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر حالت کے متعلق احکام موجود ہیں لین دین اور معاشرت ومجالست میں بھی اطاعت لازم ہے جب تمام احوال میں اطاعت کیجائے اُسوقت دوطرفہ تعلق ہوتا ہے ورنہ وہ محض یکطرفہ تعلق ہے جو اسکا مصداق ہے ؎

وقومٌ یدعون وصال لیلیٰ　　ولیلیٰ لاتقر لھم بذاکا

کہ بہت لوگ وصال لیلیٰ کے مدعی ہیں مگر لیلیٰ اُنکو مُنھ بھی نہیں لگاتی وصال پر تو کیا راضی ہوتی۔ اسیواسطے محققین نے فرمایا ہے کہ اس راستہ میں بدون رفیق کے چلنا دشوار ہے قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں کتابی علم اس راہ میں ہرگز کافی نہیں بلکہ یہان تو اسکی ضرورت ہے ؎

جملہ اوراق وکتب درنار کُن　　سینہ را از نورِ حق گلزار کُن

اسپر یہ شبہ کیا جائے کہ ان شاعر صاحب نے تو کتابوں کے جلانیکا حکم کردیا بھلا ہم فقہ وتفسیر وحدیث کی کتابیں کسطرح جلادیں اسمیں تو کتابونکی اہانت ہے اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہان حقیقۃً جلانا مقصود نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان چیزونسے ذہن کو خالی کرلو اور واقعی یہاں چندروز کیلئے تمام علوم سے ذہن کا خالی کرلینا اس راہ میں ضروری ہے کیونکہ صاف تختی پر نقوش خوب لکھے جاتے ہیں جو تختی پہلے ہی سے نقوش میں بھری ہوئی ہے اُسپر کوئی نیا نقش کیونکر جم سکتا ہے یہ تو ظاہری تاویل تھی مگر میں طلبہ کی

خاطر سے اسکی ایک اور تفسیر بیان کرتا ہون کیونکہ یہ فرقہ بڑا وہمی ہے انکی ایسی ظاہری باتوں سے تسلی نہیں ہوتی تو میں کہتا ہون کہ اچھا صاحب آپ محاورہ کی تاویل نکیجئے اور مطلب یہی سمجھئے کہ تمام اوراق و کتب کو آگ میں جلادو مگر یہ بھی معلوم ہے کہ یہان آگ سے کونسی آگ مراد ہے شاید تمنے اسی ظاہری آگ کو مراد سمجھا ہوگا اسی لیئے تو ہیں کتب کا شبہ ہوا مگر یہی غلط ہے ع سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست + صاحب! یہان نار سے نارِ عشق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ محض اوراق و کتب پر اکتفا نکرو بلکہ ان سبکو حاصل کرکے پھر سبکو نارِ عشق آلہی میں پھونکدو بتلائیے ابتو کچھہ توہین نہیں ہوئی شاید تم یہ کہو کہ پھر اگلے مصرع میں نورِ حق سے کیا مراد ہے میں کہتا ہون کہ نورِ حق اور نارِ عشق دو نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے جسکو ابتدا و انتہا کے اعتبار سے نار و نور کہا گیا ہے عشق آلہی ابتدا میں سوز و گداز و تپش کیساتھ شروع ہوتا ہے پھر اخیر میں جب تمکین حاصل ہوتی ہے تو وہی نار نور و گلزار بنجاتی ہے نور کوئی دوسری شے نہیں ہے بلکہ وہی نار جب ٹھنڈی کردی جائے نور ہوجاتی ہے۔ قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علیٰ ابراھیم ط تو نار ابراہیم و گلزار ابراہیم دو چیزیں تھوڑا ہی ہیں بلکہ وہی نار جو اول بصورت نار تھی اور حقیقت کے لحاظ سے بھی محرق تھی ابراہیم علیہ السلام کے گرتے ہی ٹھنڈی ہوکر گلزار بنگئی پس اس طریق میں ہر سالک کو نار ابراہیم و گلزار ابراہیم کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ غرض میں یہ کہرہا تھا کہ آجکل بہت علماء لفظوں کے عالم ہیں اسلیئے انکا علم ناقص ہے انکو تقویٰ و حال پیدا کرکے اپنے علم کی تکمیل کرنی چاہیے ایسے ہی ناقص علماء نے ذبیحہ گاؤ کے شعار اسلام ہونیکا انکار کیا ہے وہ اسکو شعائر دین میں سے نہیں سمجھتے مگر جنکو خدا نے نور فہم دیا ہے وہ اس حقیقت کو سمجھہ گئے اور انہوں نے اسکو شعائر اسلام میں داخل سمجھا چنانچہ حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعار اسلام است اور آجکل کی حالت دیکھہ کر مجدد صاحب کے اس قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ واقعی جو لوگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے انکو ہندو بھی پورا مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ اپنی برادری کا بھائی سمجھتے ہیں

نور حق و نار عشق ایک ہی ہے۔

ذبح گاؤ بوجہ مصالح مذکورہ شعار اسلام ہے۔

ایسی حالت میں اس شعار اسلامی کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو نور فہم سے بالکل کورا ہو۔ ایک عالم نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ دیکھئے صاحب فلاں مولانا نے ذبیحہ گاؤ کو شعار اسلام کہدیا میں نے کہا وہ کیا کہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو شعار اسلام فرمایا ہے کہنے لگے حضور نے کہاں فرمایا میں نے کہا مسلم کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسوله الحدیث۔ اسمیں حضور نے مسلمان کی علامتیں بیان فرمائی ہیں کہ جس شخص میں یہ علامتیں موجود ہوں اُسکو مسلمان سمجھنا چاہئے کہ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے وہ مسلمان ہے جسکے لئے خدا اور رسول کی پناہ و عہد ہے۔ پس جہاں آپنے صلوٰۃ و استقبال قبلہ کو علامت اسلام قرار دیا ہے وہیں اکل ذبیحتنا بھی فرمایا ہے تو جو اعتراض آپکو اُن مولانا صاحب پر ہے کہ اُنہوں نے کھانے پینے کی چیز یا ایک جانور کے ذبح کو شعار اسلام کہدیا وہی اعتراض حدیث پر وارد ہوتا ہے کہ حضور نے صلوٰۃ و استقبال قبلہ کیساتھ اکل ذبیحہ کو کیسے بیان فرمادیا۔ شاید کوئی یہ کہے کہ اسمیں تو مطلق ذبیحہ مسلم کے کھانیکو علامت اسلام بتلایا گیا ہے اس سے ذبیحہ بقر کا کھانا علامت اسلام معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اسمیں بقر کا لفظ وارد نہیں ہوا میں کہتا ہوں کہ فہیم شخص کیلئے تو ذبیحتنا ہی بقرہ پر دلالت کرنیکے لئے کافی ہے چنانچہ عنقریب آتا ہے اور بدفہم کیلئے خود لفظ بقرہ کا مذکور ہونا بھی ناکافی تھا چنانچہ میرٹھ میں ایک وکیل صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسلام میں گائے کا ذبیحہ کہیں نہیں بلکہ بکری کا ذبیحہ ثابت ہے چنانچہ دیکھئے اس عید کا نام ہی بقرعید ہے یعنی بکرے کی عید اس ظالم نے بقر کو بکرے کی عربی سمجھا واقعی جب ایسے ایسے ذہین دنیا میں ہونگے تو پھر ذبیحہ گاؤ کی دلیل شریعت میں کیوں ملے گی اسیطرح اگر آپ بھی لفظ بقر حدیث میں ہونیکے بعد بھی تاویل کرنے لگیں تو پھر اسکا جواب بجز اسکے اور کیا ہوگا کہ ع جواب جاہلاں باشد خموشی + اور یہ ساری خرابی خوشامد کی ہے کہ یہ لوگ ہندوؤں سے اتحاد کرنیکے لئے ایسی لچر باتیں نکالتے ہیں آجکل اتحاد و اتفاق کا

بہت جوش ہے اُسی جوش میں ایسے عالی مضامین اور باریک نکات سوجھتے ہیں چنانچہ مظفر نگر میں ایک ہندو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جب تک ہم میں اتفاق نہو کامیابی نہیں ہوسکتی پھر کہا جانتے بھی ہو کہ ہم کے معنی کیا ہیں ہم کے معنی ہیں ہندو اور مسلمان ہا سے مراد ہندو اور میم سے مسلمان پھر کہا کہ ہمارے ہندو بھائی ناخوش نہوں کہ ہا تو ذرا سی ہے اور میم لمبا ہے بات یہ ہے کہ ہندو تو ہندوستان ہی کے اندر اندر رہیں یہ کہیں باہر سے نہیں آئے اور مسلمان عرب و ایران وغیرہ بہت دُور سے آئے ہیں تو اُنکی مسافت بہت لمبی ہے اسلئے اُنکے واسطے میم اختیار کیا گیا اور اُسکو لمبا لکھا گیا مگر اس شخص نے مسلمانونکی بابت یہ خیال نکیا کہ شاید وہ یہ شبہ کرنے لگیں کہ ہا کو پہلے لکھا گیا اور میم کو پیچھے اور ہا کو میم کے سر پر سوار کیا گیا اسکی کیا وجہ۔ شاید اسکا یہ جوابدیا جاوے کہ ہندو یہاں پہلے سے رہتے ہیں اور مسلمان بعد میں آئے ہیں اسلئے ہا کو پہلے اور میم کو پیچھے لایا گیا مگر یہ شبہ پھر بھی باقی رہا کہ ہا کو میم کے سر پر سوار کیوں کیا گیا اُسکو پہلے ہی لکھا ہوتا مگر میم سے الگ لکھا ہوتا مگر شاید اتحاد و اتفاق ظاہر کرنیکے لئے خلط کی ضرورت پڑی ہو اسلئے ایسا کیا گیا واہیات خرافات یہ آجکل کے نکات ہیں جنکے سر نہ پاؤں مگر لوگ ہیں کہ ان مضامین پر لٹو ہیں اور ستم یہ کہ مسلمان بھی اس تقریر کے مداح تھے جنکے یہاں نکات و معارف ایسے ایسے عالی ہیں کہ دوسری قوموں کو اُنکی ہوا بھی نہیں لگی اسلامی علوم و نکات کے ہوتے ہوئے یہ واہیات باتیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انکی تعریف کریں مگر ہماری قوم میں ایک مرض یہ بھی ہے کہ یہ دوسری قوموں کے افعال کی مدح کیا کرتے ہیں اور اپنے گھر کی چیزونپر اُنکو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ایک زمانہ انگریزونکی پرستش کا تھا اُسوقت تک اُنکے افعال و معاشرت کی مدح سرائی ہوتی تھی اور مسلمانونکے طرز معاشرت پر اُنکے طرز معاشرت کو ترجیح دی جاتی تھی اب ہندوؤنکی پرستش کا دور ہے اب اُنکی باتونکی مدح و ثنا ہوتی ہے غرض یہ ہمیشہ دوسروں ہی کی پرستش میں رہیں گے انمیں یہ حوصلہ نہیں رہا کہ اپنی دولت کے سامنے کسی کی چیز کو بھی مُنہ نہ لگاویں بلکہ سبکو اُسی کے سامنے جھکانیکی کوشش کریں افسوس ایسے مسلمان

١ ہندو مسلم اتحاد کی خرابی۔

٢ مسلمانونمیں یہ مرض ہے کہ دوسری قومونکے افعال کی قدر کرتے ہیں اور اپنے گھر کی بیقدری۔

اب زمین کے اندر پہونچ گئے بس افسوس اب تو ایسے مسلمان رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب کا مقولہ اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ اگر نبوت ختم نہو گئی ہوتی تو فلاں شخص عہ (ایک ہندو کی طرف اشارہ ہے) نبوت کا مستحق تھا۔ افسوس اس شخص کو مسلمانوں میں کوئی اس قابل نملا تھا ایک ہندو ہی اس قابل ملا تھا اے صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کونسا اسلام ہے جسمیں نبی ہونیکے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت نکرو جس اتحاد کا یہ نتیجہ ہو کہ مسلمان اُس سے الحاد کیطرف جائیں اُس اتحاد پر صد تفریں ہے پھر کوئی ان لیڈر صاحب سے پوچھے کہ جب تمہارے نزدیک ہندو بھی قابل نبوت ہو سکتا ہے تو تمنے اس قضیہ شرطیہ کو کیوں تکلیف دی کہ اگر نبوت ختم نہو گئی ہوتی کیونکہ ایسی نبوت تو ختم نہیں ہوئی اسلئے کہ ختم تو وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے شروع بھی ہو چکی ہو اور ایسی نبوت تو آجتک شروع ہی نہیں ہوئی جسمیں اسلام وایمان کی بھی قید نہو جب وہ شروع ہی نہیں ہوئی تو ختم بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ تو تمنے نبوت کی نئی قسم نکالی ہے اسکے لئے یہ شرط بڑھانا کہ اگر نبوت ختم نہوئی ہوتی محض حماقت ہے تمکو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ نبوت اسلام تو ختم ہو چکی اب میں نبوت کی ایک دوسری قسم ایجاد کرتا ہوں جسمیں اسلام وایمان کی بھی قید نہیں اور اس قسم کا پہلا نبی فلاں شخص ہے غرض عیب کرنیکے لئے بھی ہنر چاہیئے کفریہ کلمہ بھی زبان سے نکالا اور وہ بھی ایسا بے تکا جسکے سر نہ پاؤں۔ اور کمال یہ کہ ایسے کلمات کہہ کر بھی یہ لوگ لیڈر اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کوئی عالم یا جاہل اس شخص کو متنبہ نہیں کرتا کہ ان کلمات ناشائستہ سے ایمان میں فرق آگیا تم اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کرو۔ اگر وہ اس سے توبہ نکرے تب تو ظاہر ہے اور اگر توبہ کرے جب بھی یہ لوگ لیڈر اور مقتدا بننے کے قابل نہیں کیونکہ ایسے کلمات سے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اسلام کی تعلیم سے بالکل کورے اور نرے جاہل ہیں سو توبہ کر کے گناہ تو معاف ہو جائیگا مگر ایک منٹ کی توبہ سے علم تو حاصل نہو جائیگا غرض مسلمانوں کے اندر یہ بڑا مرض پیدا ہو گیا ہے

عہ یعنی گاندہی ۱۲ جامع۔

کہ انکو دوسری قوموں کی چیزیں زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہیں اور اپنے علماء کو چھوڑ کر یہ دوسری قوموں کے افراد کی عظمت کرنے لگتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قومیت اسلامی کے حامی و محافظ ہیں۔ ڈرے پتھر۔ کیا قومیت اسلامی کی یہی حمایت ہے کہ تم اسلامی تعلیم کو دوسرے مذاہب کی تعلیم کے آگے اور اسلامی علماء کو دوسری قوموں کے افراد کے سامنے ذلیل و پست کر دو واللہ یہی لوگ اسلام و مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہی قومیت اسلامی کو برباد کرتے ہیں۔ ان تحریکات سے خدا تو انکو مطلوب ہے ہی نہیں مگر جس قومیت کا یہ راتدن رونا روتے ہیں اُسکی بھی جڑیں اُکھاڑ رہے ہیں قومیت کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی قوم کو دوسروں سے مستغنی ثابت کرو خود محتاج نہ بنو دوسرونکو اپنا محتاج بناؤ۔ اپنی تعلیم کے مقابلہ میں کسی کی تعلیم کو ترجیح ندو اور ثابت کر دکھاؤ کہ اسلامی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم نہیں نیز اپنے علماء کے سامنے دنیا بھر کے عقلاء کو پست اور نیچا دکھاؤ اور اسکے لئے کچھہ تمکو کرنا نہیں پڑیگا میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ الحمد للہ اسلام میں وہ لوگ موجود ہیں جنکے سامنے دنیا بھر کے سیاست داں طفل مکتب ہیں قرآن و حدیث کے برابر سیاسی اور تمدنی تعلیم کونسی کتاب میں ہے ذرا کوئی لاکر تو دکھائے پھر جو لوگ قرآن و حدیث کو حقیقی طور پر سمجھنے والے ہیں اُنکی برابر کوئی بھی عاقل یا سیاست داں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بخدا ہرگز نہیں مگر یہ ساری خرابی اُن علماء کی ہے جو ہر بات میں اِن لیڈرونکی ساتھ ہو لیتے ہیں اور لیڈرونکی طرح خود بھی کافرونکی سیاست دانی کے معتقد ہیں اُنکی علانیہ مدح کرتے اور ممبر پر بیٹھ کر وعظوں میں تعظیم سے اُنکا نام لیتے ہیں اور یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے کسی صاحب دل کی جوتیاں سیدھی نہیں کی محض کتاب پڑھکر عالم ہوگئے ہیں مگر ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ۔۔۔ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علم اسکا نام نہیں ہے کہ الفاظ یاد کر لئے علم اور ہی کسی چیز کا نام ہے ؎

آجکل کے لیڈر قومیت اسلامی کی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں جسکی حمایت کا انکو بہت دعویٰ ہے۔

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

جس عالم میں ایک خاص آن ہو اُسکا غلام بننا چاہیئے وہ آن کیا ہے عشق و معرفت و تقویٰ - چند روز ایسے کسی عالم کی جوتیوں میں جاکر رہو اور اُسکے سامنے اپنے لفظی علم کو فنا کردو پھر علم کی دولت نصیب ہوگی اور کامل کے سامنے لفظی علم کو فنا کرنے کی ضرورت اسلئے ہے کہ ؎

پیشِ یوسف نازش و خوبی مکن جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن
ناز را روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
عیب باشد چشم نابینا و باز زشت باشد روی نازیبا و ناز

یعنی جب تمہارے اندر حُسن نہیں ہے تو یوسف کے سامنے ناز مت کرو آہ و نیاز سے پیش آؤ جبھی اُمید ہے کہ وہ تمکو منھ بھی لگائیگا اور اگر تمنے اس زشت روئی کی حالت میں اُسکے سامنے اپنے علوم پر ناز شروع کردیا تو وہ اپنے علم سے ذرا سا حصہ بھی تمکو نہ دیگا اور صاف کہدے گا ؎

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

ابتو کثرت سے وہ لوگ ہیں جو کمال نہیں رکھتے مگر ایک کمال کی نقل کرکے دعویٰ کمال کا کرتے ہیں ایسونکی مثال میں ایک حکایت یاد آئی کہ ایک احمق شخص نے کسی ولایتی کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو پیار و شفقت کیساتھ دانہ کھلا رہا تھا اور وہ گھوڑا کبھی ادہر منھ پھیر لیتا کبھی اُدہر اور وہ کہتا کھاؤ بیٹا کھاؤ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ افسوس میری بیوی میری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ شخص گھوڑے کی قدر کرتا ہے ابکے گھر جاکر ہم بھی ان ہی نخروں کیساتھ کھانا کھایا کرینگے چنانچہ گھر تشریف لائے اور بی بی کو حکم دیا ہمارے لئے دانہ بھگو دے پھر شام کو گھوڑے کیطرح کھڑے ہو کر حکم دیا کہ اگاڑی پچھاڑی کھونٹوں سے باندھ دے اور دُم کی جگہ ایک جھاڑو بندھوائی اور حکم دیا کہ ہمکو دانہ کھلاوے اور جب ہم نخرے کریں تو ہماری خوشامد کرے اور کہے کھاؤ بیٹا کھاؤ چنانچہ ان سب احکام کی تعمیل کی گئی آپ دانہ کھانے میں جو اوچھلے کودے کیونکہ گھوڑا بن رہے تھے

پیچھے کہیں چراغ رکھا تھا وہ جھاڑو میں لگ گیا اور اگاڑی پچھاڑی بندہی ہونیکے سبب ہاتھ پانو بیکار ہو چکے تھے آگ بڑھنے لگی بی بی بھی احمق ہی تھیں محلہ میں دوڑی گئی کہ لوگو میرا گھوڑا جل گیا او سکے یہاں گھوڑا کہاں سب سمجھے مسخرا پن ہے کوئی نہ آیا گھوڑے صاحب اپنے گدہے پن سے جلکر رہ گئے خلاصہ یہ ہے کہ کاملین کے سامنے اپنے دعوؤنکو فنا کرنیکی ضرورت ہے مگر ابتو فنا درکنار اونکے موافقت سے بھی بھاگتے ہیں اور بجائے اونکے کفار کا اتباع کرتے ہیں چنانچہ بعضے نام نہاد علماء ہندؤوں کیساتھ ان تحریکات میں شریک ہوئے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اپنی روش پر چلنے سے تو کچھ زیادہ قدر نہیں ہوتی نہ زیادہ دولت ملتی ہے لاؤ وہی طریقہ اختیار کریں جو ہندؤوں نے اختیار کیا ہے شاید اسطرح کچھ زیادہ وقعت ملجائے اور اگر انہوں نے سوراج لے لیا تو اسمیں ہمارا بھی حصہ رہیگا اگر ہم الگ رہے تو بالکل محروم رہیں گے افسوس ؟ مسلمان ہوکر غیر پر نظر بڑی شرم کی بات ہے ان لوگوں نے یہ نہ خیال کیا کہ جو طریقہ کفار کیلئے حصول عزت کا ہے مسلمان کیلئے وہ طریقہ نہیں ہے۔ مسلمان کبھی دوسری قومونکا اتباع کرکے ترقی نہیں کرسکتا اگر وہ مسلمان ہے مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر قائم رہے اور کسی حال میں احکام شریعت سے تجاوز نکرے۔ اسی سے فلاح ہوتی ہے گو سامان کم ہو اور اسکے خلاف میں فلاح نہیں گو سامان زیادہ ہو دیکھئے اسکی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہونچکر اجازت ہوئی اسکی کیا وجہ ہے۔ ظاہر میں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت و قلت اسباب اسکا سبب تھا یہ خلاف تحقیق ہے کیونکہ مدینہ ہی میں پہونچکر کیا جماعت بڑھ گئی تھی کفار کا پھر بھی غلبہ تھا مدینہ کی جماعت تمام عرب کے مقابلہ میں کیا چیز تھی بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلہ میں یہ اجازت ہوئی تھی تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسیطرح مدینہ پہونچکر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی کفار ہمیشہ نہایت ساز و سامان سے مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض مواقع میں ایک ایک سواری میں

مسلمانوں کی فلاح صرف اتباع احکام شریعت میں ہے

سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے بعض دفعہ چند آدمیوں میں ایک ہتھیار مشترک ہوتا تھا
پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ میں جاکر جماعت و سامان کی زیادت
اس اجازت کا سبب ہوئی نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے
مقابلہ میں اکثر مواقع میں اسقدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا چنانچہ ارشاد
ہے وانزل جنودا لم تروھا اور ارشاد ہے بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم
ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ مسومین اور یہ صورت نزول ملائکہ
کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت
ندی گئی۔ تو اسکی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے اہل ظاہر اسکی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے
محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق
حمیدہ اخلاص و صبر و تقوی وغیرہ کامل طور پر راسخ نہوئے تھے اسوقت اگر اجازت
قتال کی ہوجاتی تو سارا مقابلہ جوش غضب و انتقام للنفس کیلئے ہوتا محض اخلاص
و اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے نہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہوتے کہ ملائکہ کی جماعت
سے انکی امداد کیجاوے اور حمایت الٰہی انکے شامل حال ہو چنانچہ آیت مذکورہ میں
بلی ان تصبروا وتتقوا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسیوقت متوجہ ہوتی ہے
جبکہ مسلمان صبر و تقوی میں راسخ ہوں (اور تقوی کے معنی ہیں احتراز عما نھی اللہ
عنہ و امتثال ما امر بہ جسمیں اخلاص اور احتراز عن الریاء و عن شائبۃ النفس
بھی داخل ہے ۱۲ جامع)

اور مدینہ میں پہونچکر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت
میں کفار کی ایذا پر صبر کرنیسے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضبیہ
نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہو گئی تھی پھر ہجرت کیوقت جب انہوں نے اپنے
وطن و اہل و عیال و مال و دولت سب پر خاک ڈالدی تو انکی محبت الٰہی کامل
ہو گئی اور محبت دنیا انکے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصار مدینہ نے مہاجرین
کیساتھ جو سلوک کیا اس سے انکے قلوب بھی محبت الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے

پاک ہو گئے تھے چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا بلکہ بعض صحابہ نے تو یہانتک کیا کہ ایک مہاجر صحابی سے کہا کہ تم میرے بھائی ہو گئے ہو اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال آدہوں آدہ تقسیم کر کے نصف خود لیلوں اور نصف تمکو دیدوں اور میرے پاس دو بیبیاں ہیں اُنمیں سے جونسی تمکو پسند ہو میں اُسے طلاق دیکر ابھی الگ کر دوں عدت گذرنیکے بعد تم اُس سے نکاح کر لینا مہاجری نے اُنکو دعا دی کہ خدا تمہارے مال وعیال میں برکت دے مجھے اسکی ضرورت نہیں تم مجھے بازار کا رستہ بتا دو (میں تجارت کر کے اپنا گذر کر و نگا) غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہو گیا جسمیں وہ کامل اُترے اسکے بعد اُنکو اجازتِ قتال دیگئی کہ اب یہ جو کچھ کرینگے محض خدا کیلئے کرینگے جوش غضب اور خواہش انتقام وشفاءِ غیظ نفس کیلئے کچھہ نکرینگے اسوقت یہ اس قابل ہونگے کہ حمایت الٰہی انکا ساتھ دے اور ملائکۂ رحمت انکی مدد کریں چنانچہ حضرات صحابہ کے واقعات اسپر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھہ کرتے تھے خدا کیلئے کرتے تھے حتّٰی کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایکمرتبہ حضرت علی نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا مرتا کیا نکرتا اُس کمبخت نے آپکے چہرۂ مبارک پر تھوکا اب چاہیئے تھا کہ حضرت علی اُسکو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اُسکے سینہ پر سے کھڑے ہو گئے اور فوراً اُسے چھوڑ دیا وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو انکو چاہیئے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نچھوڑتے مگر انہوں نے برعکس معاملہ کیا آخر اُس سے نرہا گیا اور حضرت علی سے اسکی وجہ پوچھی کہ آپنے اگر مجکو کافر سمجھہ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا اس فعل سے نہ میرا کفر زائل ہوا نہ عداوت سابقہ ختم ہوئی بلکہ اور زیادہ ہو گئی تھی ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ واقعی اس فعل کے بعد میرا رہا کر دینا بظاہر عجیب ہے مگر بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھپر حملہ کیا تو اُسوقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھہ مطلوب نتھا اور جب تو نے میرے اوپر تھوکا

حضرت علی کے اخلاص کی عجیب حکایت ۔

تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کیلئے نہ ہوگا بلکہ اسمیں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کیلئے کام کرکے اپنے عمل کو ضائع کروں اسلئے تجھے رہا کردیا۔ وہ یہودی یہ سنکر فوراً مسلمان ہوگیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جسمیں شرک سے اسدرجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کیلئے نکرو بلکہ محض خدا کیلئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعوی کرتے ہیں انمیں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کیواسطے کام کرتے ہیں اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اُچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے بس اُنکا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیے خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ چندہ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں صرف میں حلال و حرام کا خیال نہیں پھر حمایت الٰہی انکی ساتھ کیونکر ہو بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اسوقت تو کام کرنا چاہیئے بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دینوی فلاح ہو سکتی ہے نہ اُخروی اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جسکا یہاں صفر ہے۔ ہمارے بزرگان دین جو بحمد اللہ اب بھی موجود ہیں وہ محض خدا کیواسطے کام کرتے ہیں اسی لئے وہ کسی کام میں شریعت سے ایک انچ بھی بڑھنا نہیں چاہتے اسیطرح جو ان حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ بھی نفس کیلئے کام نہیں کرتے بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل بھی نہو تو کم از کم اپنے عیوب ہی پر نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے جس شخص کو اپنے عیوب پر بھی نظر نہو اُس سے بڑھکر محروم کوئی نہیں بس پھر تو وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسا موقعہ دیکھا ویسا کر لیا اپنی اغراض کے موافق فتوی نکال لیا جیسا کہ اُن مولوی صاحب نے حدیث میں اکل ذبیحتنا سنکر بھی یہی کہا کہ اس سے تو ذبیحہ گاؤ کا شعار اسلام ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اُنکے اندر نرا جوش تھا کیلئے پاؤں تلے مٹی نہیں ہے

آجکل اخلاص نیت کا کہیں پتہ نہیں نفس کو ہی مطلوب ہے۔

اسلئے جوش غالب رہا فہم درست نہوا فہم درست ہوتا ہے اس سے کہ ؎

قال را بگذار مرد حال شو — پیش مرد کاملے پامال شو

مگر ہائے یہ کس سے ہو۔ اسوقت تو مولانا کہلاتے ہیں لوگ تعظیم کرتے ہاتھ پیر چومتے ہیں اور اب ایسی جگہ جائیں جہاں نالائق کا خطاب ملے بیوقوف بنائے جائیں بات بات پر روک ٹوک کی جائے مگر یہ صرف چند روز کی مشقت ہے پھر ساری عمر کی راحت ہے چند روز کی روک ٹوک سے جب نفس کی اصلاح ہو جائیگی اور خدا تعالیٰ سے تعلق درست ہو جائیگا تو وہ دولت عطا ہوگی جسکے سامنے سلطنت ہفت اقلیم بھی گرد ہے ؏ چند روزے جہد کن باقی بخند + جس شخص کے اندر مادہ فاسدہ کا غلبہ ہوتا ہے اُسکے لئے ضرور مسہل کی ضرورت ہے مگر مسہل ساری عمر کا نہیں ہوتا چند روز کیلئے ہوا کرتا ہے پھر خمیرہ گاؤزباں کھلایا جاتا ہے جسکو یہ دولت نصیب ہوگئی اُس سے پوچھو خدا کی قسم اہل اللہ کی برابر کسیکو راحت نہیں اُنکو وہ دولت عطا ہوتی ہے جس کیوجہ سے نہ اُنکو کسی خوف کی چیز سے خوف رہتا ہے نہ طمع کی جگہ طمع ہوتی ہے اور اگر یہ بات نصیب نہیں تو اس شخص کی پریشانی کی کوئی حد نہیں ہے ؎

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست — جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

واقعی خلوت گاہ حق ہی میں آرام ملسکتا ہے اور کہیں راحت نہیں اسیکو فرماتے ہیں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اہل اللہ کو پریشان کن واقعات پیش نہیں آتے۔ نہیں واقعات اُنکو بھی پیش آتے ہیں اور اُنکو تکلیف بھی ہوتی ہے مگر وہ کلفت لذیذ ہوتی ہے جیسے کباب مرچوں بھرا لذیذ ہوتا ہے گو ناک آنکھ سے آنسو بھی بہتے رہتے ہیں اور جیسے تمباکو۔ جو لوگ تمباکو کھانیوالے ہیں اُنسے پوچھو کیسا لذیذ ہوتا ہے دوسروں کو تو ایک پتی سے چکر آجاتا ہے مگر جو اسکے عادی ہیں اُنکو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اور مزا آتا ہے اور جتنا کڑوا تیز ہو اُتنا ہی انکو لطف آتا ہے۔ ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک دکان سے تمباکو لینے گیا اور دکاندار سے کہا

[illegible]

[illegible]

کہ خوب کڑوا تمبا کو دینا اُسنے دکھلایا کہ میرے یہاں سب سے کڑوا یہ ہے اُسنے کہا کہ نہیں اس سے بھی کڑوا دو تو دکاندار کیا کہتا ہے کہ توبہ توبہ بس اس سے کڑوا خدا کا نام یہ شخص اس کلمہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ اُسکے نزدیک کڑوا ہونا کمال تھا اسلئے مطلب یہ ہوا کہ یہ تمبا کو بہت کامل ہے بس اس سے زیادہ کامل خدا کا نام ہے تو اسکے کلام میں کڑوا بمعنیٰ کامل ہے البتہ یہ عنوان نہایت قبیح ہے تو دیکھئے اس شخص کے نزدیک تمباکو کڑوا ہونا کیسا کمال مطلوب تھا غرض ایسی نظائر دنیا میں موجود ہیں کہ ایک چیز بعض لوگوں کے نزدیک باعث کلفت ہے اور دوسروں کے نزدیک لذیذ ہے اسیطرح مصائب سے عام لوگوں کو کلفت ہوتی ہے مگر اہل اللہ کو اُسمیں بھی لذت آتی ہے گو ظاہر میں تکلیف ہو جیسے کوئی محبوب اپنے عاشق کو زور سے دبائے اور ایسا دبائے کہ اُسکی پسلیاں دُکھنے لگیں ظاہر میں گو اُسکو تکلیف ہوگی مگر اسکی لذت کو کوئی اُسکے دل سے پوچھے اُسکا دل تو یوں کہہ رہا ہوگا ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من	دل فدائے یار دل رنجان من

اور اگر محبوب اُس سے یہ کہے کہ تجھے تکلیف ہوتی ہو تو لاؤ میں تجھے چھوڑ کر رقیب کو دبانے لگوں تو وہ یوں کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اہل اللہ کی لذت کا راز

اور اسمیں راز یہ ہے کہ اہل اللہ نے ایک سے تعلق جوڑ لیا ہے بس اُنکو اگر خوف ہے تو اُسی کا ہے اُمید بھی ہے تو اُسی سے ہے اسلئے ہر حال میں وہ خوش رہتے ہیں کسی بڑے سے بڑے واقعہ میں وہ خلاف حق کچھ نہیں کرتے چاہے کام ہو یا نہو غرض حاصل ہو یا فوت ہو جیسے حضرت علی نے عین موقعہ پر یہودی کو چھوڑ دیا تھا حالانکہ بظاہر اسمیں اپنی جان کا خطرہ تھا کہ دشمن رہا ہو کر پھر مقابلہ پر آمادہ ہوگا۔ مگر اُنکو خطرہ کی کچھ پروا نہوئی اُنکا تو مذاق یہ تھا ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند	دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور یہ حال تھا ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

اور جنکو خدا کیساتھ یہ تعلق حاصل نہیں اُنکی یہ حالت ہے کہ آج اُنکے کچھ فتوی ہیں اور کل کو جہاں اغراض بدلیں ساتھ کے ساتھ اُنکے فتوی بھی بدل گئے ارے یہ کیا قصہ ہے یہ کیسا اسلام ہے جو اغراض کے تابع ہو مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہیئے ع یکے خوان و یکے دان و یکے گو — مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اُس ذات کیساتھ علاقہ رکھے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور اغراض فانیہ کی نفی کرنی چاہیئے اور انکے متعلق لا احب الآفلین کہدینا چاہیئے ؎

خلیل آسا در ملک یقیں زن　　صدائے لا احب الآفلیں زن

پہلے سب علماء کا فتوی تھا کہ ریل میں بدون ٹکٹ کے سفر کرنا حرام ہے مگر اب یہ حالت ہے کہ اسکو جائز کر دیا گیا بہت لوگ جو علماء و طلبہ کہلاتے ہیں بے ٹکٹ کے سفر کرنے لگے میرے پاس ایک طالبعلم کا خط آیا کہ میں بدون ٹکٹ کے ریل میں سفر کرنیکو جائز سمجھتا ہوں اور میرے باپ اُس سے منع کرتے ہیں انکے باپ انگریزی خواں دنیا دار تھے۔ اللہ اکبر کبھی وہ زمانہ تھا کہ عربی خواں اس سے منع کرتے تھے اور انگریزی خواں جائز کہتے تھے اب یہ حالت ہے کہ عربی خواں جائز کہتا ہے اور انگریزی خواں منع کرتا ہے بات یہ ہے کہ وہ انگریزی داں کسی دانا (یعنی عارف) کا ذبح کیا ہوا تھا میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور اس سے زیادہ اور کوئی ذریعہ اطمینان دلانیکا میرے پاس نہیں ہے کہ نور فہم بدون کسی باقی باللہ فانی فی اللہ کی صحبت کے حاصل نہیں ہوتا اسکے بدون وہ علم ایسا ہوتا ہے جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں ایسا علم صرف زبان پر ہوتا ہے دل میں اسکا اثر نہیں پہونچتا وقت پر سارا علم غائب ہو جاتا ہے محض اغراض نفسانی کی حفاظت کا خیال غالب ہو جاتا ہے جیسے طوطا اگر بلی کے مُنھ میں آجاوے تو سوائے ٹیں ٹیں کے اور سارا علم اُسکا کافور ہو جاتا ہے چنانچہ ایک ظریف شاعر نے ایک طوطے کی تاریخ موت لکھی ہے ؎

جو لوگ کسی کامل کی جوتیوں میں نہیں رہے اُنکے فتوی اغراض کے تابع ہوتے ہیں۔

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے | رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آدابا | کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

کمال یہ کیا کہ تاریخ موت ٹے ٹے ٹے ہی سے نکلتی ہے یعنی ۱۲۳۵ھ۔
اسیطرح اللہ کا ہو رہے تب اسلام کامل ہوتا ہے ورنہ وقت پر سب لکھا پڑھا غائب ہو جاتا ہے صاحبو! بدون صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف و طمع نہو سے

موحد چہ برپائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس | ہمین است بنیاد توحید و بس

مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجۂ ناقص پر کفایت کرتے ہیں اُسکی تکمیل کی فکر نہیں کرتے نہ نماز کی فکر ہے نہ روزہ کی اسی قصہ پر یہ بیان چلا تھا پس ہمکو تکمیل اسلام کی فکر چاہیئے اسلام کامل یہ ہے کہ انسان پورا اللہ والا ہو جاوے جسکا ایک شعبہ یہ ہے کہ دین کو دنیا اور اغراض کے تابع نہ بنایا جاوے اُسوقت دین کی فہم حاصل ہوگی اور جسکے اوپر اغراض نفسانی کا غلبہ ہوگا اُسے دین کی سمجھ حاصل نہوگی ایسے ہی علماء کا یہ خیال ہے کہ ذبیحۂ گاؤ شعار اسلام نہیں اب میں حدیث سے اسکا شعار اسلام ہونا ثابت کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھذا ھو المؤمن الذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہ فلا تخفروا فی ذمتہ (او کما قال) اکل ذبیحتنا میں اضافت تخصیص ہے جیسا کہ من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا میں بھی ایسی ہی اضافت ہے کیونکہ نماز تو یہود و نصاریٰ کے مذہب میں بھی ہے اسیطرح استقبال قبلہ بھی اُنکے مذہب میں موجود ہے تو اضافت تخصیص سے یہ مطلب حاصل ہوا کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے جو اسلام کی ساتھ خاص ہے اور اُس قبلہ کا استقبال کرے جو مسلمانوں کیساتھ مخصوص ہے وہ مسلمان ہے تو یہی مطلب ذبیحتنا کی اضافت سے بھی حاصل ہوگا کہ جو شخص وہ ذبیحہ کھائے جو اہل اسلام کیساتھ مخصوص ہے تو ایسے ذبیحہ کا کھانا اسلام کی

حدیث سے ثبوت ذبیحۂ گاؤ کے شعار اسلام ہونیکا

علامت ہے اب بتلاؤ کہ ہندوستان میں ایسا خاص ذبیحہ کونسا ہے جو اہل اسلام کیساتھ خاص ہے ظاہر ہے کہ وہ بجز ذبیحۂ گاؤ کے اور کوئی نہیں تو پھر اسکے شعار اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا۔ بس میں تو یہ کہتا ہوں کہ مسلمانونکو اسکی کوشش کرنی چاہئے کہ جن گاؤں والوں پر ارتداد کا خطرہ ہو اُنکو گائے کا گوشت کھلانا شروع کریں پھر وہ ایسا پہرہ دار ہو جائیگا کہ کفار وہانسے بھاگ جائینگے گائے کا گوشت کھالینے کے بعد اُنکو اُن گاؤں والونکی طرف سے مایوسی ہو جائیگی اس مضمون سے دوسری قومونکی دل آزاری مجھے مقصود نہیں ہے بلکہ ہمتو اپنے بھائیونکی اصلاح کا طریقہ بتلا رہے ہیں دوسروں سے ہمکو کیا غرض۔ دل آزاری یا مقابلہ کرنا سیاست والونکا طریقہ ہے ہم لوگونکو سیاسی تدابیر سے کوئی سروکار نہیں ہمتو محض مذہبی احکام بیان کرتے ہیں۔ تو ایک مقصود تو میرا اسوقت یہ تھا کہ ہم لوگونکو اپنے اسلام کی تکمیل میں سعی کرنا چاہئے دوسرا مقصود یہ ہے کہ جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگونکے پاس یہ نعمت نہیں ہے اُنکے پاس بھی اسکو پہونچانا چاہئے کیونکہ اول تو یہ بات مروت اور ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع چیز سے خود ہی انتفاع کیا جائے اور دوسرونکو محروم رکھا جائے مثل مشہور ہے کہ حلوا بہ تنہا نبایست خورد ؛ دوسرے ہمکو شرعاً بھی اسکا حکم ہے کہ جن لوگونکو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں اُنکے سامنے اسکے محاسن کو بیان کریں تو اب دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جنکے پاس نعمت اسلام ہے مگر ادھوری ہے اُنکو تو پورا مسلمان بنانیکی سعی کی جائے اس شعبہ کا نام میں **تکمیل اسلام** رکھتا ہوں۔ دوسرے وہ جنکے پاس یہ نعمت نہیں ہے اُنکو اسلام پہونچانا چاہئے اس شعبہ کا نام میں **تبلیغ اسلام** رکھتا ہوں۔ اسمیں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں اس فرض کو سبھی نے بھلا دیا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابونکا درس کہاں تھا انبیاء علیہم السلام کا اصل کام تبلیغ ہی تھا۔ (یا معنی الاعم ۱۲) اب ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اسکو معمولی کام سمجھتے ہیں اور جو اسکی ضرورت و مرتبہ کو

(۲) دوسرا مقصود تبلیغ اسلام غیر مسلموں میں کرنا ہے۔

کچھ سمجھتے بھی ہیں وہ بھی ایسی جگہ جاکر تبلیغ کرتے ہیں جہاں انکی خاطر و مدارات ہوتی ہو کفار میں جاکر کوئی تبلیغ نہیں کرتا کیونکہ وہاں خاطر مدارات کہاں بلکہ بعض دفعہ برا بھلا سننا پڑتا ہے اسوجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں افسوس انبیاء علیہم السلام کی تو یہ حالت تھی کہ جن لوگوں نے انکے خون بہائے سر پھوڑے دانت توڑا - لوہے کا خود سر میں گھسادیا انکو بھی تبلیغ کرتے رہے تمام تکالیف جھیلتے رہے مگر تبلیغ سے نہیں رکے اور بڑا کمال یہ کہ ایسی ایسی تکالیف سہنے پر بھی کفار کی حق میں بددعا نہیں کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایسے دشمنوں کیواسطے بھی انکے منھ سے یہ دعا ہی نکلتی تھی رب اھد قومی فانہم لا یعلمون (الٰہی میری قوم کی آنکھیں کھولدے کیونکہ یہ مجھکو پہچانتے نہیں ہیں اسلئے میری ساتھ ایسا برتاو کر رہے ہیں اگر یہ مجھکو پہچان لیتے تو ہرگز میری ساتھ یہ معاملہ نکرتے ۱۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے آپکے غلامان غلام بھی امت کی حال پر ایسے شفیق و مہربان ہوئے ہیں کہ اپنے ایذا رسانوں کیلئے ہمیشہ دعا ہی کرتے تھے

ف ۳ حضرت ابراہیم بن ادہم رح جب غار نیشاپور سے نکلے ہیں تو انہوں نے حج کا ارادہ کیا اور چونکہ یہ حج نفل تھا اسلئے تکمیل سلوک کے بعد انہوں نے حج کا قصد کیا اس سے پہلے نہیں کیا کیونکہ تکمیل سے پہلے نفس گندگیوں سے ملوث ہوتا ہے تو اس پاک دربار کے اندر یہ ناپاکیاں لیکر نہ جانا چاہیئے جب نفس تمام گندگیوں سے پاک و صاف ہوجاوے اسوقت اس قابل ہوتا ہے کہ اس دربار میں حاضر ہو - ہاں فرض حج اس سے مستثنے ہے بعض لوگ تو مکہ ایسے جاتے ہیں کہ ایک نواب کو گورنمنٹ نے جلاوطن کیا اور اونسے پوچھا گیا کہ کہاں رہنا چاہتے ہو انہوں نے مکہ کو تجویز کیا کہ مجھے مکہ بھیجدیا جائے اب وہاں انکی یہ حالت تھی کہ روزانہ سڑک پر کھڑے ہوی عورتوں کو گھورتے تھے اسیطرح بعض لوگ حج کا ارادہ محض سیر و سیاحت کی نیت سے کرتے ہیں اسلئے ان لوگوں کو سفرنامے لکھنے اور راستہ کے حالات قلمبند کرنیکا شوق ہوتا ہے اسکو حضرت عراقی فرماتے ہیں ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نداد ند — کہ بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمیں چوسجدہ کردم ززمیں ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

اور ایسے ہی لوگونکو شیخ مسعود بیگ رح خطاب فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق درینجاست بیائید بیائید

مطلب یہ ہے کہ جس حالت سے تم حج کو جارہے ہو اس حالت میں رضائے محبوب اور وصال تمکو حاصل نہو گا ابھی تمکو اپنے گھر ہی میں کسی شیخ کے پاس رہکر اصلاح نفس میں مشغول ہونا چاہئے اور یہ مت سمجھو کہ شیخ حج سے روک رہے ہیں نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کر رہے ہیں بعض لوگ حج کو جاتے ہیں مگر ایمان کو مکہ ہی چھوڑ آتے ہیں اُنسے راستہ میں تکالیف کی جب برداشت نہیں ہوتی تو خدا اور رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور حج کو فضول بتلاتے ہیں بتلاؤ انکا ایمان کہاں رہا ایسے لوگونسے یہی کہا جائیگا کہ تم ہندوستان میں رہکر پہلے کسی شیخ سے نفس کی اصلاح کا نسخہ لیکر پی لو جب وہ اجازت دے تب حج کرنا۔ البتہ حج فرض کیلئے جائینگی تو ہر حال میں اجازت ہے ہاں حج نفل سے اسکو منع کیا جائیگا کیونکہ بعض لوگ نفل حج کیلئے بہت سے فرائض ترک کردیتے ہیں چنانچہ جہاز کے اندر آپکو ایسے حاجی بہت ملیں گے جو دوسرے تیسرے حج کو جارہے ہونگے مگر نماز ندارد۔ ہماری ساتھ ایک سید صاحب عرب تھے وہ جہاز میں نماز نہ پڑھتے تھے اور روتے تھے کہ یہاں پاخانہ میں پانی شرشر چلتا ہے جس سے چھینٹیں پڑکر کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں میں نماز کیسے پڑھوں میں نے کہا ؎

ایک سید عرب کا قصہ سفر حج میں ۔

چون طمع خواہد زمن سلطان دیں — خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اگر خزانہ شاہی میں کھوٹے روپے ہی منظور ہوتے ہوں تو ہم کون ہیں جو یوں کہیں کہ نہیں حضور ہم تو کھرے ہی دینگے کھوٹے کبھی داخل نکرینگے۔ جب حق تعالیٰ کیطرف سے ہمکو حکم ہے کہ جہاز میں تم وسوسہ اور شبہ کی وجہ سے نماز ترک نکرو پڑھتے رہو تو ہمکو وسوسہ کی کیا ضرورت ہے بس اگر کہیں ناپاکی آنکھوں سے نظر آجاوے اُسکو پاک کردو اگر نظر نہ آوے

تو وہم کی کیا ضرورت ہے مگر وہ سید صاحب روتے تو بہت تھے جہاز میں نماز ایکدن نہ پڑھتے تھے یاد رکھو بدون عمل کے رونا کچھ مفید نہیں بعض لوگ صرف وعظ میں رونیکو کافی سمجھتے ہیں مگر یہ تو ایسا ہوا جیسا گنگا کا اشنان کہ ذرا سا پانی بدن پر ڈال لیا اور سب پاپ بھگئے لیکن یہ تو ہندوؤں کا اعتقاد ہے مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال میتواں بتمنا گریستن

رونیسے بدون عمل کے کچھ نہیں ہوتا اور اگر عمل ہوا اور رونا نہ آوے تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا میرے ایک دوست نے لکھا کہ مجھے رونا نہیں آتا میں نے لکھا پھر کیا حرج ہے تمہارا دل تو رو رہا ہے تم اسکے مصداق ہو ؎ اے خنک آں دل کہ آں بریانِ اوست ۔ غرض نفس حج کیلئے جانیسے پہلے نفس کی اصلاح ضرور کر لینی چاہیئے مکہ ایسی حالت میں جائے کہ وہاں پہونچکر ہندوستان یاد نہ آوے نہ وہاں کی تکالیف سے گھبرا کر یہاں کی راحتوں کا خیال آوے ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ مکہ میں رہنا اور دل ہندوستان میں اٹکا ہو اس سے تو یہ بہتر ہے کہ ہندوستان میں رہے اور دل مکہ سے وابستہ ہو کہ دیکھیئے کب زیارت نصیب ہو کس دن جانا ملے اسیواسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونیکے بعد درّہ لیکر لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ بس حج ہو چکا اب اپنے اپنے گھر کا رستہ لو یا اھل الیمن یمنکم و یا اھل الشام شامکم و یا اھل العراق عراقکم واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حکیم تھے وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کیلئے مضر ہے اُس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے رہنا چاہیئے کہ یہ بڑی گستاخی ہے ۔ مدینہ منورہ میں ایک صاحبِ نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کی دہی سے اچھا ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے ۔ وہیں جاکر رہو جہاں کا دہی اچھا ہے ۔ صاحبو !

یہ نقصان ہوتا ہے اُس دربار میں پہونچکر اپنے گھر بار کو یاد کرنیکا اسلئے حضرت عمرؓ حج کی
بعد لوگونکو مکہ سے نکالتے تھے۔ اور اسی واسطے حضرت ابراہیم بن ادہم نے تکمیل سے
پہلے حج کا ارادہ نہیں کیا جب سلوک کامل ہوگیا تب حج کو چلے راستہ میں سمندر تھا
ایک جہاز میں سوار ہوئے وہاں ایک رئیس رند مشرب بھی پہلے سے سوار تھا اُسکے ساتھ
گانے بجانیوالے بھانڈ بھی تھے پہلے زمانہ کے رؤسا ان خرافات میں تو مبتلا ہوتے تھے
مگر آجکل کے رئیسوں سے پھر بھی اچھے ہوتے تھے کیونکہ آجکل کے تعلیم یافتہ رؤسا
گو ان ظاہری خرافات سے بری ہیں مگر انمیں باطنی خرافات کوٹ کوٹ کر بھری
ہیں وہ کیا تکبر غرور حسد بیمروتی بیرحمی اور پہلے رؤسا میں یہ باتیں نہوتی تھیں وہ
دل کے بہت نرم ہوتے تھے مروت اور رحم اور ہمدردی اُنکے اندر بہت ہوتی تھی
اپنے کو خاکسار سمجھتے تھے متواضع ہوتے تھے اور آجکل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں
کہ انگریزی پڑھکر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھنے لگتے ہیں احکام شرعیہ میں رائے دیتے
ہیں مولویونکی تو ہستی کیا ہے رسول کی بات کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم تو ایک حکم عام بیان فرمائیں اور یہ بلا دلیل محض اپنے اجتہاد سے اُسکو اُس زمانہ
کیلئے خاص بتائیں پہلے رئیسوں میں یہ باتیں نہوتی تھیں باوجودیکہ وہ آجکل کے
رئیسوں سے زیادہ دین کا علم رکھتے تھے کیونکہ اُس زمانہ میں انگریزی پڑھنے کا
نام تو علم تھا ہی نہیں قرآن و حدیث فارسی کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا علم شمار ہوتا تھا
اور ان کتابوں میں دین ہی کی باتیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی اُس زمانہ کے رؤسا سے
دین میں دخل اندازی منقول نہیں ہے اور اگر کسی سے منقول بھی ہے تو وہ بھی کسی
عالم کے بہکانیسے خود اُنکو ایسی جرات نہوتی تھی۔ غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا کہ
آج تو ہم اسطرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کیساتھ مذاق کریں اُسکے چپت اور
دھول ماریں اسلئے کوئی شخص اس کام کیلئے تجویز کیا جاوے وہاں بجز ابراہیم بن
ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شخص ایسا غریب نظر نہ آیا جسکو تختہ مشق بنایا جاوے واللہ

ایں چنیں شیخ گدائی کو بکو — عشق آمد لا اُبالی فاتقوا

آجکل کے رئیسوں اور پہلے زمانہ کے رئیسوں میں فرق۔

بھانڈوں کی نقل اور حضرت ابراہیم کیساتھ گستاخی۔

چنانچہ انکو پیچلے اور وہ ساتھ ہو لئے وہ اسلئے ساتھ ہو لئے کہ ؎

از خدا داں خلاف دشمن و دوست　　　کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

گر گزندت رسد ز خلق مرنج　　　کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کیطرف سے سمجھے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جارہے تھے ؎

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

وہاں نقل شروع ہوئی اور حضرت ابراہیم کو چپیتانے لگے جب حضرت ابراہیم کا امتحان ہو چکا تو اب غضب الٰہی کو جوش ہوا حق تعالیٰ اپنے دوستوں کا امتحان کرنیکے لئے بعض دفعہ مخالفوں اور دشمنوں کو اُنپر مسلط کر دیتے ہیں مگر پھر بہت جلد مخالفوں پر غضب و قہر کا نزول ہونے لگتا ہے یہ مت سمجھو کہ ہمکو مخالفت کرتے ہوئے اتنے دن ہو گئے اور کچھ نہیں ہوا اہل اللہ کا ستانا خالی نہیں جاتا ؎

حلم حق با تو مواساہا کند　　　چونکہ از حد بگذری رسوا کند

اور اوسی حالت میں حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ تم ذرا زبان ہلادو تو ہم ابھی ان سبکو غرق کر دیں۔ اب اُنکا ظرف دیکھئے اگر ہم جیسے ہوتے تو معلوم کیسی تیز بد دعا کرتے وہ عرض کرتے ہیں کہ حضور جب میری خاطر سے آپ انکے حق میں میری بد دعا قبول فرمانیکا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر سے آپ انکی آنکھیں ہی نہ کھولدیں کہ جس باطنی بلا میں یہ غرق ہو رہے ہیں اُس سے اُنکو نجات مل جائے دعا قبول ہوئی اور اُن سب لوگونکی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دئے گئے اور سبکے سب ولی ہو گئے اب جو آنکھیں کھلی ہیں اور حضرت ابراہیم کا درجہ و حال معلوم ہوا اور اُسپر اپنی حرکتوں کو دیکھا تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔ سبحان اللہ کیسی شفقت تھی کہ ایسے گستاخ لوگوں پر بھی بد دعا نہ کیگئی۔ اور سنئے ابھی قریب زمانہ میں ایک بزرگ مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی گذرے ہیں جنکے دیکھنے والو نمیں سے شاید اب بھی کوئی زندہ ہو مکہ کو ہجرت فرما گئے تھے اُنکا قصہ ہے کہ ایک بار وہ مکہ کے بازار میں کسی دوکان پر کچھ خرید رہے تھے آپکی عادت تھی کہ جتنی رقم ہوتی سب ایک تھیلی میں رکھتے تھے

مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی کا قصہ

اور بازار میں ساری تھیلی لے جاتے اور جیب او سمیں سے کچھہ نکالنا ہوتا تو ساری تھیلی دوکان پر
اولٹ کر جتنے کا سودا لینا ہوتا لیکر باقی تھیلی میں ڈال لیتے غرض روپیہ کی حفاظت
وغیرہ کا کچھہ خیال نتہا نہ یہ فکر تھی کہ لوگ تھیلی کی جمع دیکھہ کر میرے در پے ہو جائینگے
سبحان اللہ! یہ باتیں ہیں جو کرامات سے بھی زیادہ ہیں غرض ایک دن اسیطرح سودا
لے رہے تھے ایک بدو نے تھیلی کو تاک لیا جسوقت آپ بازار سے لوٹے اور اُس گلی
میں داخل ہوئے جسمیں آپکا مکان تھا تو وہاں بجز مولانا کے اور اُس بدو کے اور کوئی
نتہا بدو نے یہ موقعہ غنیمت سمجھہ اور تھیلی کو مولانا کے ہاتھہ سے چھین وہ جا یہ جا آپنے کچھہ
التفات بھی نفرمایا سید ہے اپنے گھر میں چلے گئے اب خدا کی قدرت دیکھیئے کہ اُس بدو نے
جو اُس گلی سے نکلنا چاہا تو حق تعالی نے راستہ بند کر دیا وہ چل پھر کر پھر اُسی موقعہ پر
آپہونچا جہانسے تھیلی لیکر چلا تھا چندبار ایسا ہی ہوا کہ وہ وہانسے چلتا اور پھر وہیں آموجود
ہوتا اب وہ سمجھا کہ یہ شخص خدا کا مقرب ہے شاید اسنے میرے واسطے بددعا کی ہے جو مجکو
راستہ نہیں ملتا اسلئے اُسنے مولانا کے دروازہ پر آکر پکارنا شروع کیا یا شیخ یا شیخ خذ منی
صرتک (اے شیخ مجھسے اپنی تھیلی لیلو) مگر مولانا نے ایک آواز کا بھی جواب ندیا تو اُس
بدو نے دوسری ترکیب کی کہ چلانا شروع کیا کہ اے لوگو دوڑو مجھے ظالم سے بچاؤ۔
اس آواز پر لوگ جمع ہوگئے اور پوچھا کہ تجھپر کسنے ظلم کیا ہے کہنے لگا کہ اس گھر میں جو رہتا ہے
اوسنے مجھپر ظلم کیا ہے اوسکو بلاؤ ذرا گھر سے باہر نکلیں لوگوں نے کہا کہ وہ تو بڑے نیک
آدمی ہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتے بدو نے کہا واللہ مجھپر اُنہوں نے بڑا ظلم کیا ہے تم اُنکو
بلاؤ تو آخر لوگوں نے مولانا کو آواز دی کہ ذرا گھر سے باہر تشریف لائیں آخر مولانا جیران[عہ]
کی رعایت سے باہر تشریف لائے تو لوگوں نے بدو سے پوچھا کہ بتلا انہوں نے تجھپر کیا ظلم
کیا ہے کہنے لگا کہ میں نے انکی تھیلی چھین لی تھی جب میں اُسکو لیکر چلا تو راستہ مجھپر بند ہو گیا
میں اس کوچہ سے باہر نکلنا چاہتا تھا مگر چل پھر کر اسی جگہ آموجود ہوتا جہاں اب کھڑا
ہوں میں نے اس شخص کو آواز دی کہ اپنی تھیلی مجھسے لیلو تو اسنے میری آواز کا جواب بھی
ندیا یہ ظلم انہوں نے میرے اوپر کیا ہے کہ نہ تو تھیلی واپس لیتے ہیں نہ مجکو راستہ ملتا ہے

عہ یعنی پڑوسیوں ۱۲۔

اب تم لوگ انسے کہو کہ مجھسے اپنی تھیلی واپس لے لیں اور مجھے اس بلا سے نجات دیں لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اپنی تھیلی واپس لے لیجئے اور اس غریب پر رحم کیجئے اب عجیب بات دیکھئے کہ مولانا فرماتے ہیں یہ تھیلی تو میری نہیں ہے اور بدو کہتا تھا کہ واللہ یہ ان ہی کی ہے میں نے انکے ہاتھ سے چھینی ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں چھیننے سے پہلے تو میری تھی مگر یہ چھیننے کے بعد میری نہیں رہی بلکہ تیری ملک ہو چکی ہے کیونکہ جب تونے اسکو چھینا تھا میں نے اسیوقت حق تعالیٰ سے عرض کر دیا تھا کہ میری وجہ سے اس شخص کو عذاب نکیا جاوے میں نے یہ تھیلی اسکو ہبہ کر دی ہے اور قبضہ اسکا ہے ہی بس اسکی ہو گئی اسلئے اب یہ میری نہیں رہی میں اسکو واپس نہیں لے سکتا (اور گو قبول ابھی تک واقع نہوا تھا مگر واہب تو اپنی طرف سے اخراج عن الملک کا سامان پورا کر چکے اسلئے اپنے حق میں معاملہ ہبہ کا کیا یہ غایت احتیاط ہے) لوگ حیران رہ گئے کہ کیسا عجیب ماجرا ہے آخر بدو نے کہا کہ اگر تم تھیلی کو واپس نہیں لیتے تو میرے واسطے دعا ہی کرو کہ مجھے راستہ ملجاوے مولانا نے دعا فرما دی اور وہ خوش خوش اپنے گھر چلا گیا صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کی یہ شفقت ہے اپنے ایذا دینے والوں پر پھر حضور کی شفقت کا کیا حال ہوگا واقعی سچ ہے ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو ۔۔۔ کہ دارد چنیں سید پیشرو

جب حضور کی یہ شفقت ہے تو انشاء اللہ ہم گنہگار بھی آپکے طفیل سے پار ہو جائینگے۔ اور تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے جسکو امت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کی مصائب کو خوشی سے برداشت کر سکیگا اب چونکہ ہم لوگوں میں شفقت نہیں ہے اسلئے تبلیغ میں کمی ہو رہی ہے ہم لوگ جو جھوٹے سچے مولوی کہلاتے ہیں ہم بھی وعظ کہنے وہیں جاتے ہیں جہاں کھانیکو عمدہ عمدہ غذائیں ملیں نخروں سے بلائے جائیں کرایہ ڈبل ملے ایکبار میں ایک انجمن کے جلسہ میں بلایا گیا جب اُن لوگوں نے مجھے کرایہ دینا چاہا تو بہت رقم پیش کی میں نے کہا کہ اتنی رقم میں کیا کرونگا میرے تو چند روپئے صرف ہوئے ہیں انکو اس جواب پر بڑی حیرت ہوئی پھر کھانیکے اندر انہوں نے مجھسے دریافت کیا

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے۔

کہ آپ چاء پئیں گے میں نے کہا نہیں پان کھائیں گے میں نے کہا نہیں مجھے انمیں سے کسی کی عادت نہیں پوچھا کھانا خاص کس قسم کا کھائینگے میں نے کہا کہ اپنے گھر پر دال روٹی کھاتا ہوں وہی کھاؤنگا انکو ہر بات پر تعجب ہوتا تھا آخر میں نے پوچھا کہ آپکو حیرت و تعجب کیوں ہے اور یہ سوالات آپ مجھسے کیوں کرتے ہیں کہنے لگے کہ صاحب یہاں ایک واعظ صاحب ابھی آئے تھے جنہوں نے بڑے عیب نکالے بہت ہی نخرونسے کھانا کھاتے تھے دو دن میں گیارہ روپئے کے پان کھائے (خیر کھاتے تو کیا ہوتا مگر حاضرین کو کھلائے جسکا انکو کوئی حق نہ تھا جبکہ میزبان کو گراں ہوا) اسلئے ہمکو آپکی ہر بات پر تعجب ہوتا ہے کہ آپ تو کرایہ بھی بہت کم بتلاتے ہیں اور دال روٹی کے سوا کسی چیز کی درخواست نہیں کرتے نہ چائے کی نہ پان کی میں نے کہا بھائی وہ بڑے درجہ کے آدمی تھے انکا ویسا ہی خرچ بھی تھا میں تو گاؤں کا رہنے والا ہوں چھوٹے درجہ کا آدمی ہوں ویسا ہی میرا مختصر خرچ ہے۔ غرض ان وجوہ سے تبلیغ کا کام رک گیا کیونکہ جن کفار میں تبلیغ کی ضرورت ہے یا جن نومسلمونکو کفار سے بچانا ضروری ہے انکی حالت یہ ہے کہ ہمسے انکو پرہیز ہے وہ ہمکو خود تو کیا بلاتے جانیکے بعد ٹھہرنیکو جگہ بھی نہیں دیتے نہ کھانیکو پوچھتے ہیں نہ پانی کو بھلا وہ تمکو ڈبل کرایہ اور چائے پان کہاں دینگے پھر ایسی جگہ کون جائے اور یہ تکلیفیں کون جھیلے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام دوسری جگہ تو کیا پھیلتا جہاں اسلام پہلے سے تھا وہاں سے بھی نکلنے لگا۔ مگر آجکل ایک قصہ کیوجہ سے لوگونکو پھر تبلیغ پر کچھ توجہ ہوئی ہے اور اسکی ضرورت کا احساس ہوا ہے گو مجھے یہ امید اپنے بھائیوں سے نہیں ہے کہ وہ اسپر دوام کریں کیونکہ انمیں نرا جوش ہی جوش ہوتا ہے استقلال نہیں ہے اور جوش کا قاعدہ ہے کہ وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوتا کاش اگر انمیں جوش کی ساتھ استقلال بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا مگر انکا جوش بھی مستقل نہیں ہوتا صرف چند روزہ ہوتا ہی مگر خیر اس جوش کا پیدا ہونا بھی خدا کی رحمت ہے اس سے ہمکو کام لینا چاہئے جسکا طریقہ یہ ہے کہ اس جوش کی حالت میں ہوش سے کام لیکر ایسی تدبیریں نکالیں جنسے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے اور محض زمانہ جوش تک منحصر نہ رہے جسکی صورت آسان یہ ہے

کہ جسطرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس تعلیم عربی کیلئے قائم کر رکھے ہیں جو بدون کسی
جوش کے زمانہ دراز سے چلے آرہے ہیں اسیطرح کچھہ مستقل مدارس مخصوص تبلیغ کیلئے قائم
کردیں جنمیں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے اور مبلغین تیار کئے جائیں مدارس
عربیہ کیساتھ اس کام کو ملحق نکیا جاوے اس سے تعلیم علوم دین کے کام میں نقص
پیدا ہونیکا اندیشہ ہے چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوجائیگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آجکل
دوسری صورت
تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور علماء میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو فکر معاش وغیرہ سے
فارغ ہیں وہ تو اسوقت سے اپنے کو تبلیغ کیلئے وقف کردیں اور جو لوگ فکر معاش سے
فارغ نہوں مگر اسوقت کسی اور کام میں بھی مشغول نہیں وہ بھی اس کام میں لگ جائیں
اور اہل تمول انکی اعانت کریں اور جو لوگ ملازمت وغیرہ یا درس وتدریس میں مشغول
ہیں وہ اپنے کام کو ترک نکریں مگر تعطیل کے زمانہ میں یا کچھہ رخصت بلا وضع تنخواہ
تیسری صورت
مل سکیے تو رخصت لیکر ان ایام میں تبلیغ کا کام کیا کریں اسطرح ہزاروں مبلغ مفت
مل جائینگے مگر اسکی ضرورت ہے کہ ہر شخص اس کام کی اہمیت کا احساس کر کے
اسپر توجہ کرے۔ ایک صورت چندہ کی ہے کہ عام لوگ چندہ دیں اور خاص لوگ تبلیغ کا
کام کریں مگر یہ صورت بہت بدنام ہوگئی ہے اور ہمنے خود اسکو بدنام کیا ہے کہ مخلوق کا
روپیہ لیکر کام کچھہ بھی نکیا اور روپیہ کھاپی کر سب برابر کردیا ورنہ یہ صورت بہت اچھی اور
چندہ کی بہتر صورت
آسان تھی تمام قومیں مذہبی کام اس طرز سے کر رہی ہیں مگر میں اس صورت کی رائے
نہیں دیتا میرے نزدیک چندہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ ہر رئیس اپنی حیثیت کی موافق
ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھہ لے یا چند رؤسا ملکر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ
رکھہ لیں اور ہر مہینے اسکو تنخواہ خود دیدیا کریں کسی انجمن وغیرہ میں چندہ بھیجنے کی ضرورت
چوتھی صورت
نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ مبلغ کا انتخاب خود نکریں بلکہ علماء سے مشورہ کر کے کسیکو ملازم
رکھیں لیکن اسکی ساتھ ملازم کا سا برتاؤ نکریں بلکہ اسکو اپنا مخدوم سمجھیں اگر یہ بھی
نہو سکے تو جو انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں انکی ہی اعانت مال سے کرتے رہیں اگر اسکے
کارکن خیانت کرینگے خدا کے یہاں بھگتیں گے مگر جبکی خیانت کا علم ہوجاوے اسکو پھر چندہ ندیں

بلکہ اب اُسکو دیں جسکی خیانت کا ہنوز علم نہیں ہوا وعلی ہذا۔ اور جو لوگ مالی اعانت نکر سکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے ؎

لا خیل عندک تھدیہا ولا مال ۔۔۔ فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

اور جس سے دعا بھی نہو سکے تو للّٰہ وہ اسپر ہی عمل کریں ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں ۔ یعنی وہ خدا کیواسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکاویں آجکل ایسے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو اس سے ہندو مسلم اتحاد میں فرق آتا ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون انکے یہاں اب بھی ہندوؤں سے اتحاد ہی چلا جا رہا ہے مگر مزہ یہ ہے کہ اتحاد تو جانبین سے ہوا کرتا ہے مگر انکا اتحاد یکطرفی ہے کہ ہندو تو انکی ذرا بھی رعایت نہیں کرتے جہاں اُنکو موقع ملتا ہے مسلمانوں کو مرتد کر لیتے ہیں آبرو ریزی یا جان و مال کے درپے ہو جاتے ہیں مگر ان حضرت کا اتحاد اب بھی باقی ہے بھلا انسے کوئی پوچھے کہ جب مسلمانوں کو ہندو مرتد بنا رہے ہیں تو کیا مسلمانونکو مرتد ہونے دیا جائے اُنکو سنبھالنے کی کوشش نکی جائے اگر انکی یہی رائے ہے تو اسکا تو یہ مطلب ہوا کہ چاہے ایمان جاتا رہے مگر اتحاد نجائے تو ایسے اتحاد پر لعنت ہے جسکے واسطے ایمان واسلام کی بھی پروا نہ ہے۔ جن صاحبوں کی یہ رائے ہو وہ خود تبلیغ نکریں مگر جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں اُنکو یہ کسلئے روکتے ہیں پس مسلمانونکو اللّٰہ کے نام پر یہ کام شروع کرنا چاہئے اور ان لوگونکی باتوں پر توجہ نکرنا چاہئے۔ تبلیغ میں بحث و مباحثہ یا ہلڑ کی ضرورت نہیں سکون و وقار سے کام کرو جہاں مباحثہ کی دوسری طرف سے تحریک ہو وہاں کرو خود چھیڑ نہ اُٹھاؤ بلکہ صاف کہدو کہ ہم اپنا کام کریں تم اپنا کرو جسکا مذہب حق ہوگا اُسکی حقانیت خود واضح ہو جائیگی واللّٰہ اسلام کی تعلیم وہ ہے کہ اسکی سادہ تعلیم کے مقابلہ میں کوئی تعلیم ٹھہر نہیں سکتی اسلام کی دلربائی کی یہ شان ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

اسلام کے محاسن تفصیل کیساتھ بیان کرنیکا تو وقت نہیں رہا مگر اختصاراً میں چند محاسن بتلاتا ہوں اسی سے باقی کو سمجھ لیا جائے ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا +

واقعات سے اسلام کا ثبوت

اسلام کا ایک حسن یہ ہے کہ اُسکو اپنی اشاعت کیلئے نہ زر کی ضرورت ہے نہ زور کی بلکہ اسلام کی تعلیم خود قلوب کو اپنی طرف کشش کرتی ہے جسکا تجربہ اسطرح ہوسکتا ہے کہ جس مجمع میں ہندو مسلمان دونوں موجود ہوں وہاں پہلے ایک ہندو سے کہا جائے کہ وہ اپنے مذہب کی باتیں بیان کرے اسکے بعد کسی عالم سے کہا جاوے کہ وہ اسلام کی باتیں بیان کرے دونوں حالتوں میں مجمع کی حالت دیکھ لی جائے کہ اُنپر کس تعلیم کا اثر زیادہ ہوتا ہے ہمنے ریل میں خود تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی ہم چند احباب آپسمیں معمولی باتیں اصلاح اعمال وغیرہ کے متعلق کرتے تھے تو ہندو غور سے اُن باتونکو سنتے اور آپسمیں کہتے تھے کہ ان لوگونکی باتونکی طرف دل کھچتا ہے دوسرا جواب دیتا تھا کہ انکی باتیں سچی ہیں اور سچائی کیطرف دل کھچا ہی کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں ہم باتیں علمی کررہے تھے وہاں ہندو بھی موجود تھے جب اسٹیشن آگیا اور ہم اترنے لگے تو ایک ہندو کہنے لگا کہ آپ تو سارا نور اپنی ساتھ لیچلے جب تک آپ ریل میں رہے ایک نور ہماری ساتھ تھا آخر یہ کیا بات تھی صاحبو! کفار کو بھی اسلام کی باتوں میں نور کا احساس ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب کسیکو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اسکو نہ روپیہ کا لالچ دیتے ہیں نہ اپنی طرف کشش کرنیکے لئے جبر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کانپور میں ایک عیسائی میرے پاس آیا کہ مجھے مسلمان کرلو اور میرے واسطے دو سو روپے چندہ کرادو تاکہ میں اُس سے تجارت شروع کرکے معاش پیدا کرسکوں۔ میں نے کہا کہ تم دو سو روپیہ کہتے ہو میں ایک روپیہ بھی چندہ سے جمع نکرونگا اور نہ ہمکو اسکی ضرورت ہے اگر تم اسلام کو حق سمجھ کر اپنی نجات کیواسطے اختیار کرتے ہو تو ہمیں تمسے یہ کہنے کا حق ہے کہ تم اس دولت کا نشان بتلانیکے معاوضہ میں ہمکو کچھ دو نہ کہ اُلٹا تم ہمسے مانگتے ہو ہم اسکا وعدہ ہرگز نکرینگے چاہے اسلام لاؤ یا نہ لاؤ۔ چونکہ وہ سچے دل سے اسلام لانا چاہتا تھا اسلئے اُسنے کہا کہ میں اپنا قول واپس لیتا ہوں اور میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگتا میں تو صرف مسلمان ہونا چاہتا ہوں روزی کا خدا مالک ہے جب اُسنے یہ کہا تب میں نے اُسے مسلمان کیا

اصول اسلام کی پاکیزگی وحقانیت اور فروع اسلام کی عقلی خوبی۔

پھر اسلام[ع۵] کے بعد چونکہ وہ ہمارا بھائی ہوگیا اور بھائی کی اعانت وامداد انسانیت ومروت کا مقتضا ہے تو پھر ہمنے اُسکی خدمت بھی کی مگر اسلام لاتے وقت صاف انکار کردیا دوسرے یہ کہ اسلام میں دو چیزیں ہیں اصول و فروع عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع۔ اور اسپر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اُسکے اصول کی پاکیزگی پر ہے جسکے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اُسکے فروع بھی پاکیزہ ہونگے اسلئے مخالفین کے سامنے ہمکو سب سے پہلے اصول اسلام کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہیئے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں اُنپر عقلی دلائل قائم کرکے خصم کو محجوج کرسکتے ہیں اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ اُنکا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع سمع ونقل سے ثابت ہوتے ہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہوں سو بحمد اللہ اصول اسلام سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں ہیں پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید ورسالت کو ثابت کیا جائے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں گے تو اسکے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اُسکے جواب میں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً اسکے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ

ع۵ یہاں سے مخالفین اسلام کے اُس اعتراض کا جواب ہوگیا کہ اسلام مال کے لالچ سے پھیلایا گیا ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کیلئے اسلام میں ایک خاص حکم وارد ہے۔ ان لوگوں نے تالیف قلب کی حقیقت نہیں سمجھی اسلام میں تالیف قلب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں سے یوں کہا جائے کہ تم اسلام قبول کرلو ہم تمکو اتنا روپیہ دیں گے یا زمین وجائداد دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلے یا قبول کرنا چاہتا ہو اُسکے ساتھ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کیا جاوے اور اگر وہ محض روپیہ کے لالچ سے اسلام لانا چاہتا ہو تو اس صورت میں اُس سے صاف کہدینا چاہیئے کہ ہم روپیہ دینے کا وعدہ نہیں کرتے اور نہ اس وعدہ پر تمکو مسلمان کرسکتے ہیں اگر تم اسلام کو حق سمجھتے ہو تو اسلام لاؤ اور جو ہمارا حال ہے اُسی حال پر تم بھی رہو محنت ومزدوری کرو اور کھاؤ کماؤ ۱۲ جامع۔

اسکا اثبات ہوگا کہ یہ حکم خلاف عقل نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح اور یہ حکم نہ مستلزم محال ہے نہ اسمیں کوئی قبح ہے اس طریقہ سے گفتگو مختصر اور سہل ہوجاتی ہے بہرحال اصول اسلام سب عقلی ہیں جنمیں توحید اصل الاصول ہے اب اسلام کی خوبی دیکھئے کہ اسمیں توحید ایسی کامل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی توحید ایسی کامل نہیں چنانچہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اسلام میں حرام ہے ایکمرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے فارس و روم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم بھی آپکو سجدہ کیا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی حرمت کو کس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا جس سے اس فعل کی لغویت بخوبی ظاہر ہوگئی فرمایا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم میرے مرنیکے بعد میری قبر پر گذرو تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ کروگے حضرات صحابہ کیسے سلیم العقل تھے جواب دیا کہ نہیں فرمایا تو پھر اب ہی کیوں سجدہ کرتے ہو خوب سمجھ لو کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے اور اگر میں خدا کے سوا کسی کیلئے سجدہ جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں (حضور نے اس جواب میں بتلا دیا کہ جو چیز فانی ہے اور اسکے ظہور فنا کے بعد تم اسکو سجدہ کرنا گوارا نہیں کرتے وہ اسوقت بھی سجدہ کے قابل نہیں کیونکہ وہ اسوقت بھی فانی ہے حضرات صحابہ سلیم العقل تھے اس بات کو سمجھ گئے کہ مرنیکے بعد انسان سجدہ کے قابل نہیں ۱۲ جامع) اگر آجکل کے لوگ ہوتے تو کہتے حضور ہمتو آپکی قبر کو ایکبار کیا چار مرتبہ سجدہ کرینگے۔ اس واقعہ سے اسلام کی توحید کا کامل ہونا معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اشاعت اسلام سے اپنی تعظیم کرانا نہ تھا کیونکہ جو شخص بڑا بننا چاہتا ہے وہ تو خود اسکی کوشش کیا کرتا ہے کہ لوگ میرے سامنے جھکیں مگر حضور کی یہ حالت ہے کہ لوگ از خود آپکو سجدہ کرنا چاہتے تھے اور آپنے انکو اس سے منع کیا اور صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ اپنا فانی ہونا انپر ظاہر کردیا مگر پھر بھی بعض جہلاء کفر کا حضور پر یہ اعتراض ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) بڑا بننا چاہتے تھے

۱ اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے۔

۲ اگر اشاعت اسلام سے حضور کو اپنی بڑائی مقصود ہوتی تو اپنے لئے سجدہ کو حرام نفرماتے۔

اور دلیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضورؐ نے حج کے موقعہ پر ایک صحابی کو اپنے موئے مبارک دیئے تھے کہ مسلمانوں میں انکو تقسیم کردو۔ اسپر وہ جاہل لکھتا ہے کہ دیکھئے حضورؐ نے اپنے بال اسلئے تقسیم کرائے تاکہ لوگ اُنکو تبرک سمجھکر تعظیم سے رکھیں تو گویا آپنے بڑا بننا چاہا۔ استغفر اللہ یہ آجکل کی فہم و عقل ہے افسوس اس شخص کو عبادت و محبت کے مقتضی میں بھی فرق معلوم نہیں۔ واقعی کفار کو محبت و عشق کا چرکہ نہیں لگا اسیواسطے وہ ایسے واقعات کی حقیقت نہیں سمجھتے جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگونکو جواب بھی ندیا جاوے اور یہ کہدیا جاوے ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

مگر تبرعاً میں اسکا جواب دیتا ہوں تاکہ کسی مسلمان کو اگر اس اعتراض سے شبہ پڑ گیا ہو تو وہ اس جواب سے تسلی حاصل کر سکے۔ بات یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال کن لوگوں میں تقسیم کرائے تھے آپنے اُن لوگوں میں اپنے بال تقسیم کرائے تھے جنکی محبت کی یہ حالت تھی کہ جب آپ وضو کرتے تھے تو وضو کا ایک قطرہ بھی زمیں پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آپکا تھوک اور سارا وضو کا پانی اپنے ہاتھوں میں لیتے تھے منھ کو ملتے اور آسے آنکھونسے لگاتے تھے اور ہر شخص اسکی کوشش کرتا تھا کہ سب سے پہلے آپکی وضو کا پانی اور آپکا تھوک میرے ہاتھ میں آئے چنانچہ اس کوشش میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور اُنکی محبت کا یہ حال تھا کہ ایکبار حضورؐ نے پچھنے لگوائے اور اُسکا خون ایک صحابی کو دیا کہ اسکو کسی جگہ احتیاط سے دفن کر دو صحابی کی محبت نے گوارا نکیا کہ حضورؐ کا خون زمیں میں دفن کیا جائے اُنھوں نے الگ جاکر اُسے خود پی لیا۔ اسپر یہ اعتراض نکیا جائے کہ (نعوذ باللہ) صحابہ بہت ہی بیحس تھے کہ اُنکو تھوک ملتے ہوئے اور خون پیتے ہوئے گھن نہ آتی تھی بات یہ ہے کہ ان امور کا تعلق عشق و محبت سے ہے اور اسکی حقیقت عاشق ہی سمجھ سکتا ہے جسکا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

صاحبو! اگر آپکو کبھی کسی سے عشق ہوا ہو تو آپکو معلوم ہوگا کہ عاشق بعض دفعہ محبوب
کی زبان اپنے منھ میں لیکر چوستا ہے اور عشاق لعاب دہن محبوب کی مدح میں
دفتر کے دفتر اشعار میں لکھ گئے ہیں تو کیا یہ لوگ نجس ہیں ہرگز نہیں اگر یہ نجس
ہیں تو یوں سمجھئے کہ ساری دنیا نجس ہے کیونکہ محبت میں ہر شخص یہی کرتا ہے
کوئی عاشق اس سے بچا ہوا نہیں اسیطرح اگر کسی کے محبوب کے بدن میں سے
خون بہنے لگے تو عشاق اُس جگہ منھ لگاکر خون کو چوستے ہیں تاکہ محبوب کو زخم کی
تکلیف کا احساس نہ ہو یا کم ہو جائے معلوم ہوا کہ محبوب کا خون چوسنا بھی کوئی
گھن کی چیز نہیں عاشق کو اس سے جو حظ ہوتا ہے اُسکے دل سے پوچھنا چاہئے پھر
جب ادنیٰ ادنیٰ محبوب کا لعاب دہن اور خون گھن کی چیز نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا تھوک اور پسینہ اور خون تو کیونکر گھن کی چیز ہو سکتا ہے کیونکہ حضور کی حالت یہ تھی
کہ قدرتی طور پر آپکا تمام بدن خوشبو دار تھا آپکے پسینہ میں اسقدر خوشبو تھی کہ عطر
کی خوشبو اسکے سامنے بے حقیقت چیز تھی آپکا لعاب دہن نہایت خوشبودار اور شیریں
تھا یہی حال آپکے خون کا تھا تو ایسی چیز سے کون شخص گھن کر سکتا ہے مگر کفار کو ان
امور کی کیا خبر نہ اُنکو عشق و محبت کی ہوا لگی ہے نہ حضور کی حالات سے اطلاع ہے ۱۲ جامع
بہرحال صحابہ آپکے ایسے عاشق تھے کہ وضو کا پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے
اور اُسکو ہاتھوں ہاتھ لینے کیلئے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے تو ایسی جماعت
سے یہ کیا امید تھی کہ وہ آپکے بالوں کو زمین میں دفن ہونے دینگے کیونکہ یقیناً بال کا
درجہ وضو کے پانی سے زیادہ تھا اُسکو محض جسم سے تلبس ہوا تھا اور یہ تو بدن کا
جزو ہے پس اگر آپ اپنے بالوں کو دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین میں سے اُنکو
نکالنے کی کوشش کرتے پھر اسمیں ہر شخص یہ کوشش کرتا کہ میرے ہاتھ زیادہ بال
آئیں تو ایک دوسرے پر گرتا اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آجاتی اسلئے حضور نے
اس نزاع و قتال سے صحابہ کو بچانیکے لئے اپنے بال خود ہی تقسیم کرا دیئے اور
دفن نکرائے بتلائیے اب اسمیں کیا اشکال ہے۔ پس معلوم ہوگیا کہ آپکا اپنے بال تقسیم کرانا!

اپنی تعظیم وعبادت کیلئے نہ تھا بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے اُنکے نزاع وقتال کے رفع دفع کرنیکے لئے تھا۔ اگر معاذ اللہ حضور میں ذرہ برابر بھی بڑائی وتکبر کا خیال ہوتا تو آپ عمدہ لباس پہنتے عمدہ مکان بناتے نفیس نفیس کھانے کھایا کرتے آپکے پاس خزانہ جمع ہوتا مگر تاریخ شاہد ہے اور احادیث میں صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس موٹا جھوٹا ہوتا تھا آپکے مکانات سب کچے تھے آپ اپنے پاس کچھ بھی جمع نہ رکھتے تھے یہ نہیں کہ آپکے پاس مال آتا نہ تھا نہیں بعضی جنگ میں اتنا مال آیا کہ اُسکی شمار نہیں ہوسکتی تھی بکریوں سے جنگل بھر گئے اور آپنے سب بکریاں ایک اعرابی کو اُسکے سوال پر عطا فرمادیں اور اونٹ اسقدر تھے کہ آپنے کسیکو ۱۰۰ سو کسیکو ۲۰۰ دو سو عنایت فرمائے جب بحرین کا جزیہ آیا ہے تو اتنا روپیہ تھا کہ مسجد کے اندر سونیکا ڈھیر لگ گیا مگر آپنے تھوڑی دیر میں سب کا سب صحابہ کو تقسیم فرمادیا اور اپنے واسطے ایک درہم بھی نہ رکھا تو کیا بڑائی چاہنے والا یہ گوارا کرسکتا ہے کہ خود تو خالی ہاتھ رہے اور مخلوق کو مالامال کردے۔ پھر آپکی حالت یہ تھی کہ راستہ میں جب چلتے تھے تو صحابہ کو اپنے سے آگے چلنے کا حکم کرتے تھے اور خود پیچھے چلتے۔ بعض دفعہ کوئی صحابی سواری پر سوار ہوتے اور آپ اُنکی ساتھ ساتھ پیدل چلتے وہ اُترنا چاہتے اور آپ منع فرماتے اکثر آپ اپنا سودا بازار سے خود لے آیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں آپسے امداد لینا چاہتا تو آپکا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتا لیجاتا اور آپ اُسکا کام کردیتے تھے۔ گھر میں آکر آپ اپنے گھر کے کام بھی کرتے تھے کبھی بکری کا دودھ خود نکال لیا کبھی جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیا کبھی آٹا گوندہ دیا آپ بعض دفعہ زمین پر بیٹھ جاتے بوریہ پر لیٹ جاتے تھے جس سے آپکے پہلو پر نشان ہوجاتے۔ بعض دفعہ کسی یہودی کا آپ پر قرض ہوتا اور وہ تقاضا کرنیمیں سختی کرتا بُرا بھلا کہتا اور حضرات صحابہ کو یہودی پر غصہ آتا وہ اُسکو دھمکانا چاہتے تو آپ صحابہ کو منع فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے اس جاہل معترض سے کوئی پوچھے کہ کیا بڑائی اور عظمت چاہنے والونکے یہی حالات ہوا کرتے ہیں۔ افسوس اُسنے ایک بال تقسیم کرنیکا واقعہ لیلیا اور ان تمام واقعات سے اندھا ہوگیا سو میری تقریر سے

معلوم ہوگیا ہوگا کہ بال تقسیم کرنیکا واقعہ بھی بڑائی یا عظمت کیلئے نتھا بلکہ اسمیں وہی تمدنی اور سیاسی مصلحت تھی جو میں نے ابھی ذکر کی۔ دوسرے حضورؐ نے اپنے بال تقسیم فرماکر قیامت تک کیلئے یہ بات بتلادی کہ میں فانی ہوں اور بشر ہوں کیونکہ بال متغیر و حادث ہیں کبھی وہ سر کے اوپر ہیں کبھی اُسترے سے مونڈ کر جدا کئے جاتے ہیں توجو شخص حضورؐ کے بالونکو دیکھےگا (چنانچہ بعض جگہ بحمد اللہ ابتک آپکے بال محفوظ ہیں اور لوگ انکی زیارت کرتے ہیں) تو وہ حضورؐ کے فانی و بشر ہونے پر استدلال کریگا اور سمجھ جائیگا کہ آپ انسان تھے خدا نتھے تو اس سے آپنے مسلمانونکی توحید کو کامل فرمایا نہ کہ اپنی عظمت و بڑائی چاہی ؏ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زوند ✢

باب توحید میں مخالفین کو استقبال قبلہ پر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ ہم کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ عبادت خدا کی کرتے ہیں اور صرف مُنھ قبلہ کیطرف کرتے ہیں اور اسکے لئے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں ایک یہ کہ ہم خود اُسکی معبودیت کی نفی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی عابد اپنے معبود کی معبودیت کی نفی نہیں کیا کرتا دوسرے یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کے دل میں کعبہ کا خیال بھی نہ آئے مگر کعبہ کیطرف مُنھ رہے تو نماز درست ہے چنانچہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ مسجد میں آکر نماز شروع کردیتے ہیں اور کعبہ کا کچھ بھی خیال اُنکو نہیں آتا انکی نماز درست ہے اگر ہم کعبہ ہی کی عبادت کرتے تو اُسکی نیت کرنا شرط ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر کسیوقت کعبہ نرہے جب بھی نماز فرض رہے گی اور اُسیطرف مُنھ کیا جائیگا جہاں کعبہ موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کعبہ کے اینٹ پتھر ونکو نہیں پوجتے ورنہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہوجاتی چوتھے یہ کہ اگر کوئی شخص سقف کعبہ پر نماز پڑھے تو اُسکی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اُسکے اوپر چڑھکر نماز صحیح نہوتی کیونکہ اب کعبہ اُسکے سامنے نہیں ہے دوسرے معبود کے اوپر چڑھنا گستاخی ہے اس حالت میں کسیطرح نماز درست نہونا چاہئے تھی مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز صحیح ہے تو کیا معبود کے اوپر چڑھا بھی کرتے ہیں ہاں معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا

کہ وہ گائے بیل کو دیوتا و معبود بھی سمجھتے ہیں پھر اُنکے اوپر سوار بھی ہوتے ہیں مگر اسکا خلافِ عقل ہونا ظاہر ہے ایک اعتراض تقبیل حجر پر بھی ہے کہ مسلمان اُسکو بوسہ دیتے ہیں تو گویا نعوذ باللہ اُسکی عبادت کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ تقبیل حجر عظمت سے نہیں بلکہ محبت سے ہے جیسے بیوی بچوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں اگر بوسہ دینا عبادت و عظمت کی دلیل ہے تو لازم آئیگا کہ ہر شخص اپنی بیوی کی عبادت کرتا ہے اور اسکا لغو ہونا بدیہی ہے پس معلوم ہوا کہ تقبیل عبادت و تعظیم کو مستلزم نہیں بلکہ کبھی محبت سے بھی تقبیل ہوا کرتی ہے رہا یہ سوال کہ پھر تم حجر اسود سے محبت کیوں کرتے ہو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بات ہے اسکے متعلق مخالف کو سوال کرنیکا حق نہیں۔ دیکھیے اگر کوئی شخص عدالت میں یہ دعوی دائر کرے کہ فلاں مکان میری ملک ہے تو اُس سے اسپر ثبوت طلب کیا جائیگا لیکن جب وہ ثبوت پیش کردے تو خصم کو اس سوال کا حق نہیں کہ اچھا مکان تو تمہارا ہی ہے مگر یہ بتلادو کہ اس گھر میں کیا کیا سامان ہے یا کوئی شخص بیوی کا بوسہ لے تو اُس سے یہ سوال تو ہوسکتا ہے کہ تم اسکا بوسہ کیوں لیتے ہو لیکن جب وہ یہ بتلادے کہ میں محبت کیوجہ سے بوسہ لیتا ہوں تو پھر اس سوال کا کسیکو حق نہیں کہ تمکو بیوی سے محبت کیوں ہے اور تم دن رات میں اُسکے کتنے بوسے لیتے ہو۔ اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسکی وجہ بتلا نہیں سکتے کہ ہمکو حجر سے محبت کیوں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب اُسی حد تک دینا چاہیے جہانتک اُنکو سوال کا حق ہے اور جو سوال اُنکے منصب سے باہر ہو اُسکا جواب نہ دینا چاہیے بلکہ صاف کہدینا چاہیے کہ تمکو اس سوال کا کوئی حق نہیں مخالفین کا دماغ ہر بات کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں ہر دقیقہ کو اُنکے سامنے نہ بیان کرنا چاہیے بعض لوگ اسپر تعجب کرتے ہیں کہ وہ بات کونسی ہے جسکو ہم نہیں سمجھ سکتے آخر ہم بھی تو انسان ہیں اگر باریک بات ہمارے سامنے بیان کیجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسکو نہ سمجھ سکیں میں کہتا ہوں کہ اگر یہی بات ہے تو پھر میں ایک ریاضی داں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اقلیدس کی کوئی شکل ایک گھس کھدے کو سمجھادیں جسنے اقلیدس کے مبادی

واصول موضوعہ کو کبھی سُنا بھی نہو۔ یقیناً وہ اقرار کریگا کہ میں ایسے شخص کو اقلیدس کی اشکال نہیں سمجھا سکتا۔ آخر کیوں۔ کیا وہ انسان نہیں۔ مگر بات وہی ہے کہ بعض امور کیلئے مبادی ومقدمات کا سمجھنا ضروری ہوتا ہے اسلئے اُنکو وہی سمجھ سکتا ہے جسکے ذہن میں تمام مبادی ومقدمات حاضر ہوں ہر شخص اُنکو نہیں سمجھ سکتا اور یہ بالکل موٹی بات ہر مگر حیرت ہے کہ آجکل کے عقلار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی میرے پاس ایک ماسٹر صاحب آئے اور اُنہوں نے تقدیر کے متعلق ایک دقیق سوال مجھسے کیا میں نے کہا کہ آپ اسکا جواب سمجھ نہیں سکتے بہت دقیق ہے جو آپکی فہم سے باہر ہے اُنکو اس جواب پر حیرت ہوئی اور شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ مولوی میرے سوال کے جواب پر قادر نہیں ہیں اسلئے میں نے کہا کہ اگر آپکو اسکا جواب سُننے کا شوق ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ کسی طالبعلم کو میرے پاس لایا جائے جسکے ذہن میں اُس علم کے مقدمات حاضر ہوں جس سے اس سوال کا تعلق ہے وہ مجھسے یہی سوال کرے میں اُسکے سامنے جواب کی تقریر کردونگا آپ بھی اُسکو سُن لیجئے گا اُسوقت آپکو یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ آپ اسکا جواب سمجھ سکتے ہیں یا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوجاویگا کہ ہم لوگوں کے پاس اسکا جواب ہے مگر آجکل تعلیم یافتہ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ جب ہم سیاسیات دنیویہ کو خوب سمجھتے ہیں تو سیاسیات ملیہ کو بھی بخوبی سمجھ لیں گے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ کے سمجھنے کی اُنمیں خاک بھی قابلیت نہیں بس وہ یورپ ہی کی سیاسیات کو شاید سمجھ لیتے ہونگے بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ سمجھنے کی قابلیت اہل علم میں بھی سبکو نہیں۔ چنانچہ اب اُنکی سیاسی غلطیوں کا انکشاف ہورہا ہے کل جن چیزوں کو وہ حرام کہہ رہے تھے آج اُنکے جواز کا فتویٰ دیا جارہا ہے کل تک گاڑھا پہننا واجب وضروری تھا ولایتی کپڑا پہننا قابل مواخذہ تھا آج کچھ بھی نہیں سب خاصی طرح ولایتی مال خریدنے لگے اور ساری ترک موالات ختم ہوگئی اور تماشا یہ ہے کہ آجکل جو یہ تحریک انسداد فتنہ ارتداد چل رہی ہر اسکے متعلق ایسے بعض علماء نے ایک اشتہار میں شایع کیا ہے کہ یہ تحریک چونکہ خالص مذہبی تحریک ہے اسلئے اسمیں ہر طبقہ کو شریک ہونا چاہئے اس سے معلوم ہوا کہ پہلی تحریکات

بعض تعلیم یافتہ سیاسیات دنیویہ کے سمجھ لینے سے اپنے کو سیاسیات ملیہ کے سمجھنے پر بھی قادر سمجھتے ہیں۔

سیاسیات ملیہ کو اہل علم بھی سب نہیں سمجھ سکتے۔

خالص مذہبی نہ تہیں اُسمیں غیر مذہب کا بھی دخل تھا دل میں تو اُن تحریکات کی حقیقت کو
وہ سمجھ ہی رہے تھے مگر الحمد للہ برسوں کے بعد اب زبان سے بھی اقرار کر لیا کہ یہ پہلی تحریکات
خالص مذہبی نہ تہیں پھر معلوم اُنمیں شرکت نہ کرنیوالونکو کافر و فاسق کیوں بنایا گیا تھا۔
یقیناً جو امر مذہب و غیر مذہب سے مرکب ہوگا وہ فرض و واجب کبھی نہیں ہو سکتا مگر ستم ہے کہ
ان لوگوں نے تحریکات سابقہ کی شرکت کو فرض و واجب بنا رکھا تھا۔ گو مذہب میں بھی
سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات
خالص مذہبی سیاسیات ہیں اُنمیں غیر مذہب کا دخل ہرگز نہیں ہو سکتا اگر ان حضرات کے
نزدیک پہلی تحریکات مذہبی سیاسیات میں داخل تہیں تو اُنکے اس قول کا کیا مطلب ہے
کہ تحریک انسداد ارتداد خالص مذہبی تحریک ہے اسمیں سبکو شریک ہونا چاہیئے اس سے تو
صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تہیں تو پھر وہ مذہبی سیاسیات
میں بھی داخل نہ تھیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مخالفین کا جو سوال اُنکے منصب سے
باہر ہو اُسکا جواب نہ دینا چاہیئے بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تمکو اس سوال کا حق نہیں
ہے اسمیں تم اپنے منصب سے آگے بڑھ رہے ہو مگر آجکل بعض لوگ اس بات کی کوشش
کرتے ہیں کہ مخالف کی ہر بات کا جواب دیں خواہ اُس کا سوال بجا ہو یا بیجا یہ بڑی
غلطی ہے اسطرح تو کبھی گفتگو کا سلسلہ ختم نہ ہوگا بس اگر مخالفین ہمسے یہ کہیں کہ تم
کعبہ کیطرف مُنھ کرتے ہو اس سے اُسکی عبادت لازم آتی ہے اسکا جواب دینا ہمارے
ذمہ ضروری ہے چنانچہ میں نے چند جوابات دیدئے ہیں کہ ہماری نماز نہ کعبہ کے وجود پر
موقوف ہے نہ اُسکی نیت ضروری ہے نہ اُسکی دیوار و چھت کا سامنے ہونا ضروری ہے بلکہ
اُسکی چھت پر بھی نماز ہو سکتی ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہم اُسکی عبادت نہیں
کرتے اسکے بعد اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا پھر تم اُسکی طرف مُنھ کیوں کرتے ہو اس سوال کا
جواب اُنکو نہ دیا جائیگا بلکہ ہم صاف کہہ دینگے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہم کعبہ کی عبادت
نہیں کرتے تو اس سوال کا آپکو کوئی حق نہیں یہ ہمارے گھر کی بات ہے تم گھر والے
بنجاؤ اُسوقت تمکو گھر کی باتیں بھی بتا دینگے۔ ہماری جی کی خوشی ہمنے جسطرف چاہا نماز میں

منہ کر لیا تم اسمیں دخل دینے والے کون ہوتے ہو علی ہذا اگر وہ یہ کہیں کہ تم حجر کی تقبیل کر کے اُسکی عبادت کرتے ہو اسکا جواب ضرور دیا جائیگا کہ ہم عبادت نہیں کرتے بلکہ محبت سے بوسہ دیتے ہیں جیسے تم اپنی بیوی کو بوسہ دیا کرتے ہو۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا یہ بتلادو کہ تمکو حجر اسود سے محبت کیوں ہے اسکا جواب نہ دیا جائیگا بلکہ صاف کہدینگے کہ جسطرح ہمکو آپسے اس سوال کا حق نہیں کہ آپکو اپنی بیوی سے محبت کیوں ہے اسیطرح آپکو اس سوال کا بھی حق نہیں اسپر شاید سامعین یہ کہیں کہ اچھا مخالفوں کو نہ بتلاؤ ہمکو تو بتلادو ہم تو گھر کے آدمی ہیں سو بیشک آپکو اسکی وجہ بتلائی جائیگی ہیں فی الوقت خاص خاص قواعد بتلائے ہیں کہ مخالفین سے کسطرح گفتگو کرنا چاہیئے اور اُنکے کس سوال کا جواب دینا چاہیے کسکا نہیں اور کونسی بات اُنسے کہنی چاہیئے کونسی نہیں اب آپکو بتلاتا ہوں۔ سنئے استقبال قبلہ کا راز یہ ہے کہ عبادت کی روح دل جمعی اور یکسوئی ہے بدون یکسوئی اور دل جمعی کے عبادت کی صورت ہی صورت ہوتی ہے روح نہیں پائی جاتی اور یہ ایسی بات ہے جسکو تمام اہل ادیان تسلیم کرتے ہیں اب سمجھیے کہ اجتماع خواطر میں اجتماعِ ظاہر کو بہت بڑا دخل ہے اسی لئے نماز میں سکونِ اعضاء کا امر ہے التفات و عبث سے ممانعت ہے صف کے سیدھا کرنیکا امر ہے کیونکہ صف کو ٹیڑھا کرنیسے قلب پریشان ہوتا ہے عام قلوب کو اسکا احساس کم ہوگا کیونکہ اُنکو دل جمعی اور یکسوئی بہت کم نصیب ہے مگر جنکو نماز میں دل جمعی کی دولت نصیب ہے اُنسے پوچھیے کہ صف ٹیڑھی ہونیسے قلب پر کیا اثر ہوتا ہے صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف غیر منتظم سے قلب کو خلجان و پریشانی ہوتی ہے اسی دل جمعی کیلئے سجدہ گاہ پر نظر جانیکی تاکید ہے کیونکہ جگہ جگہ نظر کہانیسے بھی قلب کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہی اصل ہے تمام اشغال صوفیہ کی۔ صوفیہ جو مراقبات و اشغال تعلیم کرتے ہیں اُنسے محض یہی یکسوئی و جمعیت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہی اصل تھی قیام مولد کی تفصیل اسکی یہ ہے کہ صوفیہ نے (جیسے امام غزالی وغیرہ) آداب وجد میں لکھا ہے کہ جب کسی شخص پر وجد طاری ہو اور وہ کھڑا ہو جائے تو سب حاضرین کو اسمیں اُسکی موافقت کرنا اور سبکو کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ اور ونکو بیٹھا ہوا دیکھ کر صاحب وجد کو خلجان نہو اور اُسکے وجد میں انقباض نہ آئے

استقبال قبلہ کا راز۔

اشغال صوفیہ و قیام مولد کی اصل۔

تو مولد میں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب وجد نے غلبۂ وجد میں قیام کیا ہوگا حاضرین نے موافق ادب مذکور کے قیام میں اُسکی موافقت کی ہوگی بس لوگوں نے آئندہ قیام مولد کو لازم اور ضروری ہی سمجھ لیا جس سے وہ قابل منع ہو گیا۔ غرض اسکا انکار نہیں ہو سکتا کہ اجتماع خاطر میں اجتماع ظاہر کو بہت بڑا دخل ہے پس نماز میں اگر ایک خاص جہت مقرر نہوتی تو کوئی کسی طرف منھ کرتا کوئی کسی طرف منھ کرتا اس اختلاف جہات وتباین ہیأت سے تفرق قلب ہوتا لہذا یکسوئی کیلئے ایک خاص جہت مقرر کر دی گئی رہا یہ کہ وہ کعبہ ہی کی جہت کیوں مقرر ہوئی کوئی اور جہت کیوں نہوئی اس سوال کا کسیکو حق نہیں کیونکہ یہ سوال تو اُس دوسری جہت میں بھی ہو سکتا ہے کہ یہی کیوں ہوئی دوسری کیوں نہوئی۔ دیکھئے عدالت وقت مقرر کرتی ہے کہ کچہری کا وقت فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہے تو آپ یہ سوال تو کر سکتے ہیں کہ وقت مقرر کرنیکی کیا ضرورت ہے جسکا جواب یہ دیا جائیگا تاکہ کام کرنیوالے سبکے سب معاً حاضر ہو سکیں اور رعایا اہل حاجت کو وقت مقرر ہونیسے اطمینان ہو جاوے کہ عدالت کا یہ وقت ہے تو اسکے علاوہ اوقات میں وہ اپنے دوسرے کام کر سکیں اگر وقت مقرر نہو تو ہر شخص کو تمام دن عدالت میں ہی رہنا پڑتا کہ نمعلوم حاکم کسوقت آ جاوے باقی اس سوال کا کسیکو حق نہیں کہ گورنمنٹ نے دس بجے سے چار بجے تک ہی کا وقت کیوں مقرر کیا کوئی اور وقت مقرر کر دیا ہوتا کیونکہ وہ کوئی بھی وقت مقرر کرتی یہ سوال تو کبھی ختم نہو سکتا تھا علی ہذا ہمکو یہ بتلانیکی ضرورت نہیں کہ جہت کعبہ ہی کو استقبال کیلئے کیوں مخصوص کیا گیا ہاں اسکا راز ہمنے بتلا دیا کہ خاص جہت کی تعیین میں کیا مصلحت ہے۔ یہ جواب تو ضابطہ کا ہے اور طالب کیلئے جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُنکی (یعنی حق تعالیٰ کی) توجہ کسطرف زیادہ ہے جس طرف اُنکی توجہ زیادہ تھی اُسیکو جہت صلوۃ مقرر فرما دیا رہا یہ کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی توجہ کعبہ کی طرف زیادہ ہے سو جنکے آنکھیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ واقعی کعبہ پر تجلیات الٰہیہ بہت زیادہ ہیں اور توجہ سے یہی مراد ہے اور وہی تجلیات روح کعبہ اور حقیقت کعبہ ہیں یہی وجہ ہے کہ کعبہ ظاہری کی جہت پر بھی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت

۱ اس سوال کا کسیکو حق نہیں کہ خاص جہت کعبہ ہی کیوں مقرر ہوئی۔

۲ تخصیص جہت کعبہ کا راز۔

گو صورت کعبہ سامنے نہیں مگر حقیقت کعبہ یعنی تجلی الٰہی تو سامنے ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان دراصل تجلی الٰہی کا استقبال کرتے ہیں کعبہ کی دیواروں کا استقبال نہیں کرتے مگر چونکہ تجلی الٰہی کا احساس ہر شخص کو نہیں ہوتا اسلئے حق تعالیٰ نے اُس خاص بقعہ کی حد مقرر فرما دی جس پر اُنکی تجلی دوسرے مکانوں سے زیادہ ہے پس یہ عمارت محض اُس تجلی اعظم کی جگہ دریافت کرنیکے لئے ہے ورنہ خود عمارت مقصود بالذات نہیں چنانچہ انہدام عمارت کے بعد نماز کا موقوف نہونا اور کعبہ کی چھت پر نماز کا درست ہونا اسکی دلیل ہے فقہاء نے اس راز کو سمجھا ہے اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ قبلہ وہ ہوا ہے جو کعبہ کی محاذات میں آسمان تک اور اُس سے نیچے زمین کی اسفل طبقات تک ہے لیکن چونکہ عمارت کعبہ کو اور اُس جگہ کو تجلی الٰہی سے تلبس ہے اس تلبس کی وجہ سے اُنمیں بھی برکت آگئی اور یہی تجلی اہل لطائف کے نزدیک معنی ہیں الرحمن علی العرش استوی کے یعنی عرش پر تجلی رحمانیت ہوتی ہے یہ معنی ہرگز نہیں کہ عرش پر خدا تعالیٰ بیٹھے ہیں اور وہ اُنکا مکان ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مکان کو مکین کے برابر یا کم از کم اُسکے مقارب ہونا چاہیے اگر کوئی شخص زمین پر بیٹھے اور اُسکے نیچے رائی کا دانہ آجائے تو زمین کے خاص حصہ کو تو اُسکا مکان کہا جائیگا رائی کے دانہ کو کوئی شخص اوسکا مکان نہ کہے گا کیونکہ انسان سے اُسکو کچھ بھی نسبت نہیں پھر وہ اُسکا مکان کیونکر ہو سکتا ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ عرش حق تعالیٰ کا مکان نہیں ہو سکتا کیونکہ عرش محدود ہے اور ذات خداوندی غیر محدود ہے محدود کسی طرح غیر محدود کا مکان نہیں ہو سکتا بس استویٰ علی العرش کے معنی وہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی صفت رحمانیت کے اعتبار سے اُسپر ہوتی ہے اسیواسطے الرحمٰن علی العرش استویٰ فرمایا!

؎ اسیطرح اگر اندھیرے میں جہت کعبہ معلوم نہو اور اپنے گمان پر کسی طرف منھ کرکے نماز پڑھ لے اور بعد میں معلوم ہو کہ نماز قبلہ کیطرف نہیں ہوئی بلکہ کسی اور طرف کو ہوئی ہے اس صورت میں اسلام کا حکم ہے کہ نماز درست ہو گئی اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مسلمان کعبہ کی پرستش نہیں کرتے ورنہ اس صورت میں بطلان صلوٰۃ کا حکم ہوتا بلکہ تعیین جہت کی وہی حکمت ہے جو اوپر مذکور ہوئی ۱۲ جامع۔

الرحمٰن علی العرش استوی

اللہ علی العرش استویٰ نہیں فرمایا کیونکہ اللہ علم ذات ہے اور رحمٰن اسم صفت ہے
اس سے معلوم ہوگیا کہ عرش محل ذات نہیں بلکہ مظہر صفت رحمت ہے کہ وہاں تجلی رحمت
اور مکانات سے زیادہ ہے یہ تو استقبال قبلہ کا راز ہوا۔ رہا تقبیل حجر کا راز تو میں کہہ چکا
ہوں کہ اسکا منشا عظمت و عبادت نہیں بلکہ محض محبت اسکا منشا ہے چنانچہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو مجمع عام میں ظاہر فرمایا ایکبار آپ طواف کر رہے تھے
اُسوقت کچھ لوگ دیہات کے موجود تھے جب آپنے تقبیل حجر کا ارادہ کیا تو حجر کے پاس ذرا
ٹھہرے اور فرمایا انی لا علم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قبلک ما قبلتک۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نفع دیسکتا
ہے نہ ضرر دیسکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے
نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ کیا خشک معاملہ کیا ہے حجر کی ساتھ بھلا اگر یہ
مسلمانوں کا معبود ہوتا تو کیا اوس سے یہی خطاب کیا جاتا کہ نہ تو نفع دیسکتا ہو نہ ضرر
پہونچا سکتا ہے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس تقبیل کا منشا محض محبت ہو اور محبت
کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے اسکو بوسہ دیا ہے حضور کا فضلہ بھی کسی جگہ گرا ہو تو ہمکو اس
جگہ سے محبت ہوگی چہ جائیکہ وہ جگہ جہاں حضور کے ہاتھ لگے ہوں اور اس سے بڑھکر
یہ کہ آپکا دہان مبارک لگا ہو ؎

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد ۔۔۔ باخاک آستانش داریم مرحبائے

رہا یہ کہ حضور نے اُسکو کیوں بوسہ دیا اس سوال کا کسیکو حق نہیں اور نہ ہمکو اسکی وجہ بتلانا
ضروری ہے ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ حضور نے بطور عبادت و عظمت کے بوسہ نہیں دیا
ورنہ حضرت عمر اس بیباکی کیساتھ لا تضر ولا تنفع نفرماتے وہ حضور کے مزاج شناس
تھے جب انہوں نے حجر کی ساتھ یہ معاملہ کیا تو یقیناً اس تقبیل کا منشا عبادت ہرگز نہیں
اور تبرعاً اسکا جواب بھی دیئے دیتا ہوں کہ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر کے اندر
تجلیات الٰہیہ کا بنسبت دوسرے حصص بیت کے زیادہ ہونا منکشف ہوا ہو پس منشا
اس تقبیل کا تلبس زائد ہے تجلیات الٰہیہ سے اور جس چیز کو محبوب کے انوار سے زیادہ تلبس ہو

اُسکا بوسہ دینا اقتضائے محبت ہے (قال الشاعر)

امر علی الدیار دیار لیلیٰ ۔ اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ۔ ولکن حب من سکن الدیار ۲ جامع

اس جگہ شاید کسیکو یہ اشکال پیش آئے کہ جسوقت حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے متعلق یہ فرمایا تھا انی لا علم انک لحجر لا تضر ولا تنفع اسوقت حضرت علیؓ وہاں موجود تھے اُنہوں نے فرمایا بلیٰ انہ لینفع انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یشہد لمن قبلہ یوم القیامۃ (او کما قال) کیوں نہیں وہ نفع دیگا میں نے حضور سے سنا ہے کہ جو لوگ اسکو چومتے ہیں قیامت کے دن یہ اُنکے واسطے گواہی دیگا تو اس سے حجر کا نافع ہونا معلوم ہوا اور یہ معارض ہے حضرت عمرؓ کے قول کے سو خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علیؓ سے یہ قول بسند صحیح ثابت ہو تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے قول میں تعارض کچھ نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا قول حضرت عمرؓ کے قول کا مکمل ہے اور اُسکی حقیقت کو ظاہر کرنیوالا ہے کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو نہ ضرر دیسکتا ہے نہ نفع تو اسپر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ پھر یہ تقبیل محض لغو ہے جس کام میں کچھ بھی نفع نہیں اُسکا کرنا فضول ہے حضرت علیؓ نے اس شبہ کو رفع فرمادیا اور بتلادیا کہ حضرت عمرؓ ایک خاص نفع وضرر کی نفی فرماتے ہیں یعنی جو نفع وضرر معبود کا خاصہ ہے حجر اسود میں وہ نہیں ہے باقی مطلق نفع کی نفی مقصود نہیں چنانچہ حجر میں ایک نفع ہے کہ وہ شاہد بنیگا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کیلئے۔ اور ظاہر ہے کہ شاہد کا درجہ حاکم سے کم ہوتا ہے شاہد کے قبضہ میں نفع وضرر نہیں ہوتا وہ تو صرف واقعہ بیان کردیتا ہے اب آگے حاکم کی رائے پر فیصلہ کا مدار ہے نفع وضرر وہی دیسکتا ہے حاکم اصل اور شاہد تابع ہوتا ہے پس حجر کا شاہد ہونا خود اُسکی عبادت کی نفی کرتا ہے چنانچہ شاہد تو انسان بھی ہوسکتا ہے چنانچہ قیامت میں بہت سے انسان بھی شاہد ہونگے پس حضرت عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ نفع وضرر تیرے قبضہ میں نہیں ہے اس سے تو شبہ عبادت کی نفی ہوگئی اور حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نفع تیرے اندر موجود ہے جو مخلوق سے مخلوق کو پہونچا کرتا ہے یعنی شاہدیت اس سے لغویت تقبیل کی نفی ہوگئی خوب سمجھ لو۔ دوسری تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کردیا گیا تصویر بنانا

حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما کے اقوال میں تطبیق۔

دوسری تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا۔

بھی حرام ہے اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں نہ کفار تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم مورتوں کو پوجتے ہیں اسوقت بھی کفار کی یہی حالت ہے اور پہلے بھی یہی دستور تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اتعبدون ما تنحتون یہ نہیں فرمایا اتعبدون ما تصورون۔ مگر باینہمہ اسلام نے شرک سے اتنا بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا کیونکہ گو اسکی عبادت نہیں ہوتی مگر مفضی الی العبادت ہونیکا احتمال اسمیں ضرور ہے کیونکہ جب تصویر کی اجازت ہوتی تو لوگ حضور کی اور صحابہ و بزرگان دین کی تصویریں بھی اُتارتے اور عادۃً تصویر کا اثر قلب پر وہی ہوتا ہے جو صاحب تصویر کا اثر ہوتا ہے تو وہ تصویروں کی تعظیم بھی کرتے پھر رفتہ رفتہ جہلاء شرک میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ پہلے زمانہ میں اُسی سے شرک کی بنیاد قائم ہوئی اور تصویر کا اثر صاحب تصویر کے برابر ہونیکا مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو مجھسے کانپور میں ایک مسافر نے نقل کیا تھا کہ ایکمرتبہ مجمع غلاۃ مبتدعہ نے بطور استہزاء کے ایک نقل کی جسمیں ظالموں نے امام حسین امام حسن حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حتی کہ اللہ میاں کی بھی تصویر بنائی تھی اُس مجمع میں کوئی دیہاتی سُنّی بھی جا پہنسا تھا سب سے پہلے امام حسین کی تصویر لائی گئی لوگوں نے مفتی مجلس سے پوچھا کہ انکے بارہ میں کیا حکم ہے اسنے کہا کہ یہ حضرت قیامت تک کیلئے ہمپر مصیبت ڈال گئے ہیں کہ اپنی ساتھ سارے خاندان اہل بیت کو مروا ڈالا جنکو ہر سال ہم روتے ہیں اگر یہ تقیہ کر لیتے تو کچھ بھی نہوتا لہذا انکو لیجاؤ اور قتل کر ڈالو۔ اسکے بعد امام حسن لائے گئے پوچھا انکے واسطے کیا حکم ہے کہا انہوں نے اپنے کو خلافت سے معزول کر کے (حضرت) معاویہ کو خلافت دیدی جس سے یزید کو خلافت پہنچ گئی یہ سب انہی کا فساد ہے انکو بھی قتل کرو اسکے بعد حضرت علی کی تصویر لائی گئی کہا سارے فتنہ کی جڑ یہی ہیں انہوں نے خواہ مخواہ (حضرت) معاویہ سے لڑائی کی جس سے اُنکا خاندان اہل بیت کا دشمن ہو گیا تقیہ کر لیتے تو کچھ بھی نہوتا انکو بھی ختم کرو پھر حضرت فاطمہ کی تصویر لائی گئی کہا انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہو چکا تھا کہ حسین کربلا میں شہید ہونگے انہوں نے اپنے ابا جان سے دعا نکرالی کہ میری اولاد یوں تباہ نہو انکو بھی

تصویر کا اثر قلب پر صاحب تصویر کے مثل ہوتا ہے اور اسپر ایک حکایت ۔

صاف کردو۔ پھر نعوذ باللہ حضور کی تصویر لائی گئی کہا ارے یہ تو سب کچھ کر سکتے تھے ایک بددعا کر دیتے تو یزید کی کیا مجال تھی جو اہل بیت پر یہ مصیبت ڈالتا پھر جو حکم اوروں کیلئے ہوا تھا آپکی تصویر کیلئے بھی وہی ہوا۔ بیچارہ دیہاتی مسلمان یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا آخر سبکے بعد ایک بہت بڑی تصویر لائی گئی مفتی نے پوچھا کہ یہ کون ہیں کہا گیا کہ یہ اللہ میاں ہیں (نعوذ باللہ) اُسنے کہا ارے سارا فساد تو ان ہی کا ہے انکو سب کچھ قدرت تھی مگر انہوں نے اہل بیت کا ساتھ نہ دیا یزیدیوں کا ساتھ دیا اور اہل بیت کو اُنکے ہاتھ سے مروا ڈالا پھر اُنکے واسطے بھی وہی حکم ہوا جو اوروں کیلئے ہوا تھا اسوقت بیچارے مسلمان سے نہ رہا گیا وہ یہ سمجھا کہ اگر اللہ میاں نہ ہوئے تو بارش کون برسائیگا روزی کون دیگا جنت کون دیگا بیچارہ غلبۂ جوش میں اوٹھا اور دوڑ کے اُس تصویر کو اُٹھا کر لے بھاگا بدعتی اُسکے پیچھے پیچھے لاٹھیاں لیکر دوڑے کہ یہ کون اجنبی ہماری محفل میں آگیا مگر وہ دیہاتی مضبوط تھا ایسا بھاگا کہ کسی کے ہاتھ نہ آیا قریب ہی اہل حق کے دیہات تھے اُسنے وہاں جاکر پکارا کہ مجھے بچاؤ لوگ جمع ہوگئے بدعتی مجمع کو دیکھکر لوٹ گئے اب لوگوں نے اُس سے کہنا شروع کیا کہ تو ان کمبختوں میں کہاں جا پھنسا تھا خیر خدا کا شکر ہے کہ اُسنے تجھے بچا لیا کہنے لگا واہ خدا مجھے کیا بچاتا میں نے ہی خدا کو بچا لیا (توبہ توبہ) لوگوں نے کہا کمبخت یہ کیا بکتا ہے کہنے لگا دیکھو یہ خدا میرے ساتھ موجود ہے یہ لوگ انکو قتل کرتے تھے میں اُٹھا کر لے بھاگا اور انکی جان بچائی لوگ ہنسنے لگے اور اُسے سمجھایا کہ بیوقوف یہ خدا نہیں ہے یہ تو بنائی ہوئی تصویر ہے خدا کو بھلا کون دنیا میں دیکھ سکتا ہے اور وہ بیجان تھوڑا ہی ہے کہ نہ بولتا ہو نہ بات کرتا ہو پھر وہ کسیکے ہاتھ کیوں آنے لگا کس کی مجال ہے جو خدا تعالیٰ کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے۔ وہ دیہاتی بیچارا جاہل تھا مگر تھا خدا کا محب اسلئے وہ اس قول سے کہ میں نے خدا کو بچایا ہے کافر نہیں ہوا وہی قصہ ہوگیا جو شبان موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا اخلاص و محبت کیوجہ سے اُسکی یہ جہالت معاف ہوگئی۔ اس قصہ سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ تصویر کا اثر قلب پر کیسا ہوتا ہے اسی لئے شریعت نے اسکو حرام کر دیا مگر آجکل مسلمانوں کا کچھ ایسا مذاق بدلا ہے کہ تصویر سے ذرا بھی اجتناب نہیں رہا حتی کہ مسائل کی کتابوں میں بھی

تصویریں ملنے لگیں جہاں وضو کا بیان ہے وہاں ایک تصویر آدمی کی اور لوٹے کی بنادی ہے گویا وہ بیٹھا ہوا وضو کر رہا ہے وعلیٰ ہذا۔ اگر یہی مذاق رہا تو چند دنوں کے بعد قرآن میں بھی تصویر ہونے لگے گی۔ جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو تو مخالفین اسلام کو ہم کیا جوابدیں مگر ہم تو اب بھی جواب دیں گے کیونکہ اسلام میں تو ممانعت ہی ہے اسلام اپنے پیرو کے برے اعمال کا ذمہ دار تھوڑا ہی ہے۔ ایک عمدہ خوبی اسلام کی یہ ہے کہ نماز کو کس خوبصورتی کی ساتھ مشروع فرمایا ہے اسکی نظیر کوئی مذہب نہیں دکھا سکتا شروع سے لیکر آخر تک خدا کی حمد و ثنا تکبیر و تعظیم ہی ہے کبھی رکوع ہے کبھی سجدہ کبھی قیام ہے کبھی قعود گویا عاشق اپنے محبوب کی خوشامد کر رہا ہے نہ کسی طرف دیکھتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے کبھی محبوب کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے کبھی جھکتا ہے کبھی پاؤں پڑتا ہے کبھی ادب سے بیٹھ کر عرض معروض کرتا ہے غرض عجیب عبادت ہے ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غربا کیلئے امرا پر زکوٰۃ کو فرض فرمادیا جسمیں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کہیں ہیں دسواں یا بیسواں حصہ۔ یہ ایسی مقدار ہے جسمیں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب ادا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقرا معذورین کیلئے کافی ہے کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکوٰۃ نہیں نکالتے پھر لطف یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے کمی نہیں آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی کی ساتھ فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا زکوٰۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے آفات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جاوے پھر ایک عبادت حج کی مقرر فرمائی جسکی بنا یہ ہے کہ چونکہ بدون حال کے قال بیکار ہے دل پر بھی چرکہ لگانیکی ضرورت تھی اسلئے عشق و محبت کا چرکہ دل پر لگانیکے لئے یہ ایک عبادت ایسی بھی شروع فرمائی جسمیں ابتدا سے انتہا تک جنون عشق کی کیفیت ہوتی ہے یعنی حج۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب باتیں ظاہری ہی ہیں نہیں صاحب انکا دل پر بڑا اثر ہوتا ہے احرام کی کیفیت دیکھ کر دشمنوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ بادشاہ اور غلام سبکے سب ننگے سر ہیں چادر لنگی پہنے ہوئے ہیں ناخن بڑھے ہوئے بال پریشان ہیں نہ خوشبو لگا سکتے ہیں نہ ناخن کتر سکتے ہیں نہ خط بنوا سکتے ہیں اوٹھتے بیٹھتے لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں

اسلام کی ایک خوبی طریقۂ نماز ہے کہ اسکی نظیر نہیں ملسکتی۔

ایک خوبی زکوٰۃ کا فرض ہونا ہے۔

ایک خوبی عبادت حج ہے جس سے عشق و محبت کا حال پیدا ہوتا ہے۔

جب حاجی لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے پھر جب مکہ پہونچتے ہیں اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑتی ہے تو نظر کیسا اٹھ ہی آنکھوں سے گھڑوں پانی بہنے لگتا ہے کیا یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں کوئی تو چیز ہے جو یوں بیتاب کر ڈالتی ہے یہ رونا معلوم خوشی کا ہے یا غم کا۔ کچھہ سمجھہ میں نہیں آتا ہمارے حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ رونا گرم بازاری عشق کا ہے جسکا ذکر ان اشعار میں ہے ؎

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت ۔۔۔ واندراں برگ ونوا صد نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست ۔۔۔ گفت مارا جلوۂ معشوق دراین کار داشت

غرض حج ایسی عجیب عبادت ہے کہ اگر اسکو طریقہ سے ادا کیا جاوے تو انسان ایک ہی حج میں واصل ہو جاتا ہے مگر بعضے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک مسافر مسجد میں پڑا سو رہا تھا کسی چور نے اُسکا چادرہ کھینچا تو وہ کہتا ہے کہ نہ حاجی صاحب چادر نہ کھینچو۔ کسی نے کہا کہ تجھے اُسکا حاجی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا معلوم تو نہیں ہوا مگر ایسے کام حاجی ہی کیا کرتا ہے تو بعض حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حج سے پہلے تو وہ کچھہ ڈھکے مُندے نیک بھی تھے اور حج کے بعد کھُلم کھلا بدمعاش ہو گئے بات یہ ہے کہ حجر اسود کسوٹی ہے اُسکو چھونیکے بعد انسان کا اصلی رنگ ظاہر ہو جاتا ہے جو حالت پہلے سے مخفی تھی وہ اب کھل جاتی ہے اگر طبیعت میں نیکی تھی تو پہلے سے زیادہ نیک ہو جاتا ہے اگر بدی تھی تو وہ بدی اب کھل جاتی ہے بہت لوگ ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں مگر کسوٹی پر لگانیسے کھرا کھوٹا معلوم ہو جاتا ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بے غش باشد ۔۔۔ اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد
خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں ۔۔۔ تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

شاید تم یہ کہو کہ اچھا ہوا تمنے یہ بات ظاہر کر دی ابتو ہم حج ہی کو نہ جائینگے نہیں صاحب حج کو جاؤ مگر اکسیر بنکر جاؤ۔ اور لو میں تمکو اکسیر بننے کا طریقہ بھی بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی کیمیا گر سے تعلق پیدا کر لو ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں ۔۔۔ خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

کیمیا گر سے میری مراد یہ لنگوٹی باندھنے والے نہیں ہیں بلکہ باطن کے کیمیا گر مراد ہیں

جنکو اہل اللہ کہتے ہیں اُنکی شان یہ ہوتی ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد

پارس ایک پتھر ہوتا ہے اُسکی خاصیت یہ ہے کہ جہاں لوہے کو اُس سے مس کیا فوراً سونا ہوجاتا ہے اہل اللہ کی تو یہ خاصیت مشاہد ہے پارس میں یہ بات ہو یا نہو اہل اللہ کی صحبت سے توبہ نصوح حاصل ہوجاتی ہے جس سے پہلی تمام گندگیاں دُہل جاتی ہیں پس تمکو چاہیئے کہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرکے حج کو جاؤ اُسکی صحبت سے تمکو توبہ خالص عطا ہوگی تو یہ کرکے جاؤ گے تو پھر حج کا اثر یہ ہوگا کہ پہلے سے زیادہ تمکو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی میرا یہ مطلب نہیں کہ مرید ہوکر جاؤ اسکی ضرورت نہیں صرف تعلق محبت اور چند روزہ صحبت کی ضرورت ہے

معاملات میں اسلام کا حسن

معاملات میں اسلام کا یہ حسن ہے کہ مخلوق کو دہوکہ فریب دینا حرام ہے چاہے مسلمان کو دہوکہ دے یا کافر کو من غشنا فلیس منا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں گذرے تو گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپنے ہاتھ ڈالا تو اُسمیں اوپر تو سوکھے گیہوں تھے اور اندر بھیگے ہوئے تھے اُسوقت آپنے فرمایا من غشنا فلیس منا اور اُس شخص سے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کردو تاکہ لوگوں کو دہوکہ نہو۔ اسیطرح جن صورتوں سے معاملات میں نزاع پیدا ہو اُن سبکو ناجائز کردیا نہی عن بیع الغرر۔ اسیطرح سود و ربوا کو مطلقاً حرام کیا گیا کیونکہ اس سے قرض لینے والا بہت جلد تباہ ہوجاتا ہے۔

معاشرت میں اسلام کا حسن

معاشرت کی خوبی یہ ہے کہ سب سے پہلے تواضع کی تعلیم دی گئی ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے حتیٰ کہ جانوروں سے بھی کمتر سمجھے کیونکہ اگر نجات ہوگئی تب تو اپنے کو اُنسے افضل کہنے کا حق ہے اور اگر خدا نخواستہ نجات نہوئی تو جانوروں سے بھی بدتر ہوئے کیونکہ وہ غضب الٰہی سے محفوظ ہیں کیا اس تواضع کی نظیر کوئی دکھا سکتا ہے الحمد للہ اسلام میں اسکی صدہا نظائر موجود ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا حال اوپر مذکور ہوچکا ہے اور جو لوگ آپکے سچے نائب ہیں وہ بھی اسی مذاق کے ہوتے ہیں اور تواضع حسن معاشرت کی جڑ ہے معاشرت میں خرابی اسی سے آتی ہے کہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہوں اور تم اپنے کو اور جب دونوں اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھیں گے تو پھر نزاع کی نوبت ہی نہ آئیگی اور اگر آئے گی بھی تو وہ حد سے متجاوز نہوگی۔

آجکل لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو ان لوگوں میں ہے نہیں محض باتونسے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہونگے اُنمیں آپسمیں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدون تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا واقعی عجیب گُر کی بات ہے۔ ایک خوبی معاشرت کی یہ ہے کہ استیذان کا مسئلہ مشروع کیا گیا ہے کہ بدون اجازت واطلاع کے اپنے گھر میں بھی نہ آئے شاید کوئی پردہ دار ہو اوسکی پردہ دری ہوگی جب اپنے گھر کا یہ حکم ہے تو دوسرونکا تو کیا پوچھنا اور زنانہ تو زنانہ مردانہ میں بھی جب قرائن سے معلوم ہو کہ مجلس خاص ہے مثلاً کوئی شخص پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو تو بدون اُسکی اجازت کے اندر نجاؤ گو مکان مردانہ ہی ہو۔ اخلاق کی خوبی یہ ہے کہ اصلاح نفس کا جسقدر اہتمام اسلام میں ہے کسی مذہب میں بھی نہیں۔ جاہ طلبی نام آوری ریاکاری سے سخت ممانعت ہے حسد بغض وغیرہ پر سخت سخت وعیدیں وارد ہیں معاشرت میں ایک حکم یہ ہے کہ اپنے غلاموں کی ستر خطائیں روز معاف کیا کرو اس سے زیادہ خطائیں ہوں تو کچھ سزا دو بھلا غلاموں کیساتھ یہ برتاؤ کوئی غیر مسلم کرسکتا ہے غلام تو کیا اولاد کیساتھ بھی کوئی ایسا برتاؤ نہیں کرسکتا مگر افسوس باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی مخالفونکو اسلام کے مسئلہ

مسئلہ غلامی پر مخالفین کا اعتراض اور اسکا جواب

غلامی پر اعتراض ہے میں کہتا ہوں کہ اسلام نے تو غلاموں سے وہ برتاؤ کیا ہے کہ اُنکے باپ بھی اُنکی ساتھ ویسا نہیں کرسکتے تھے مسئلہ غلامی کی اصل یہ ہے کہ اسمیں مخلوق کی جان بچائی گئی ہے کیونکہ جب ایک دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں فوج کشی کرتا ہو اور اُسکے ہزاروں لاکھوں آدمی مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوں تو اب کوئی ہمیں بتلادے کہ ان قیدیونکو کیا کرنا چاہیئے ایک صورت تو یہ ہے کہ ان سبکو رہا کردیا جاوے اسکا حماقت ہونا ظاہر ہے کہ دشمن کی ہزاروں لاکھوں کی تعداد کو پھر اپنے مقابلہ کیلئے مستعد کردیا ایک صورت یہ ہے کہ سبکو فوراً قتل کردیا جاوے اگر اسلام میں ایسا کیا جاتا تو مخالفین جتنا شور وغل مسئلہ غلامی پر کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اُسوقت کرتے کہ دیکھئے کیسا سخت حکم ہے کہ قیدیونکو فوراً قتل کردیا جاوے۔ ایک صورت یہ ہے کہ سبکو کسی جیلخانہ میں بند کردیا جاوے اور وہاں رکھکر اُنکو روٹی کپڑا دیا جاوے یہ صورت آجکل کی گو بعض متمدن سلطنتوں میں پسندیدہ ہے مگر اسمیں چند خرابیاں ہیں

ایک یہ کہ اس سے سلطنت پر بڑا بار عظیم پڑتا ہے اور ان سے کمائی کرانا خود غرضی کی صورت ہے۔ پھر جیلخانے کی حفاظت کیلئے ایک خاص فوج مقرر کرنا پڑتی ہے قیدیونکی ضروریات کیلئے بہت سے آدمی ملازم رکھے جاتے ہیں یہ سارا عملہ بیکار محض ہو جاتا ہے سلطنت کے کسی اور کام میں نہیں آسکتا قیدیوں ہی کی حفاظت کا ہو رہتا ہے پھر تجربہ شاہد ہے کہ جیلخانہ میں رکھکر چاہے آپ قیدیوں کو کتنی ہی راحت پہونچائیں اُسکی اُنکو کچھ قدر نہیں ہوتی کیونکہ آزادی سلب ہونیکا غیظ اُنکو اسقدر ہوتا ہے کہ وہ آپکی ساری خاطر مدارات کو بیکار سمجھتے ہیں تو سلطنت کا اُتنا خرچ بھی ہوا اور سب بے سود کہ اُس سے دشمن کی دشمنی میں کمی نہ آئی۔ پھر قیدخانہ میں ہزاروں لاکھوں قیدی ہوتے ہیں وہ سبکے سب علمی وتمدنی ترقی سے بالکل محروم رہتے ہیں اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے اسلام نے اسکے بجائے یہ حکم دیا کہ جتنے قیدی گرفتار ہوں سب لشکر والونکو تقسیم کردو ایک گھر میں ایک غلام کا خرچ معلوم بھی نہو گا اور سلطنت بار عظیم سے بچ جائیگی پھر چونکہ ہر شخص کو اپنے قیدی سے خدمت لینے کا بھی حق ہے اسلئے وہ اُسکو روٹی کپڑا جو کچھ دیگا اُسپر گراں نہو گا وہ سمجھیگا کہ میں تنخواہ دیکر نوکر رکھتا جب بھی خرچ ہوتا اب اس سے خدمت لونگا اور اسکے معاوضہ میں روٹی کپڑا دونگا پھر چونکہ غلام کو چلنے پھرنے سیر و تفریح کرنیکی آزادی ہوتی ہے قیدخانہ میں بند نہیں ہوتا اسلئے اُسکو اپنے آقا پر وہ غیظ نہیں ہوتا جو جیلخانہ کے قیدی کو ہوتا ہے اس حالت میں اگر آقا نے اُسکے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اُسکا احسان غلام کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور وہ اُسکے گھر کو اپنا گھر اُسکے گھر والونکو اپنا عزیز سمجھنے لگتا ہے یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں پھر اس صورت میں غلام علمی وتمدنی ترقی بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا و غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام مہذب وشائستہ ہو وہ اُسکو تعلیم بھی دلاتا ہے صنعت وحرفت بھی سکھلاتا ہے چنانچہ اسلام میں صدہا علما و زہاد و عباد ایسے ہوئے ہیں جو اصل میں موالی تھے غلاموں کے طبقہ نے تمام علوم میں ترقی حاصل کی بلکہ غلاموں کو بعض دفعہ بادشاہت بھی نصیب ہوئی ہے سلطان محمود رح کو مخالفین بہت بدنام کرتے ہیں کہ اُنہوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا

سلطان محمود رح اور غلاموں کیساتھ اُنکا برتاؤ -

مگر تاریخ میں اُنکا ایک واقعہ لکھا ہے اُس سے اُنکی رحمدلی اور شفقت کا اندازہ ہو جائیگا۔
اور یہ کہ غلاموں کیساتھ اُنکا کیا برتاؤ تھا ایکبار سلطان محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اور
بہت سے ہندو جنگ میں قید ہوئے جنکو وہ اپنے ساتھ غزنی لیگئے اُنمیں ایک غلام بہت
ہونہار ہوشیار تھا اُسکو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم وفنون کی تعلیم دی جب وہ تعلیم
سے فارغ ہوا تو اُسکو حکومت کے عہدے دئے گئے حتی کہ رفتہ رفتہ اُسکو ایک بڑی ملک کا
صوبہ بنادیا صوبہ کی حیثیت اُسوقت وہ تھی جو آجکل کسی بڑے والئی ریاست کی حیثیت
ہوتی ہے جسوقت سلطان نے اُسکو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ غلام رونے
لگا سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا اُسنے عرض کیا جہاں پناہ اسوقت
مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگر پھر اپنی یہ قدر و منزلت دیکھ کر رونا آگیا حضور جسوقت
میں ہندوستان میں بچہ سا تھا تو آپکے حملات کی خبریں سُن سُن کر ہندو کانپتے تھے اور اُنکی
عورتیں اپنے بچوں کو آپکا نام لیکر ایسا ڈرایا کرتی تھیں جیسا ہوا سے ڈرایا کرتی ہیں
میری ماں بھی مجھے اسیطرح آپکے نام سے ڈرایا کرتی تھی تو میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود
کیسا جابر و ظالم ہوگا حتی کہ آپنے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اُس فوج سے آپکا مقابلہ
ہوا جسمیں یہ غلام موجود تھا اُسوقت تک میں آپکے نام سے بھی ڈرتا تھا پھر میں آپکے ہاتھوں
قید ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے
خلاف میرے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاج سلطنت رکھا جارہا ہے تو اسوقت
مجھے یہ خیال کر کے رونا آگیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اُس سے کہتا کہ دیکھ یہ وہی
محمود ہے جسکو تو ہوّا بتلایا کرتی تھی صاحبو! ایسے واقعات اسلام میں بکثرت ہیں اور یہ اُسی
مسئلہ غلامی کا نتیجہ ہے اگر یہ لوگ جیلخانہ میں قید کر دئے جاتے تو نہ اُنکو مسلمانوں سے اُنس ہوتا نہ
مسلمانونکو اُنسے تعلق ہوتا غلام بنکر یہ لوگ مسلمانوں میں ملے جلے رہے علمی ترقی حاصل کرتے رہے
آخرکار اپنی حیثیت کے موافق درجات و مناصب پر فائز ہوتے رہے کوئی محدث بنا کوئی فقیہ کوئی قاری
بنکوئی مفسر کوئی نحوی بنا کوئی ادیب کوئی قاضی ہوا کوئی حاکم۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
غلاموں کی یہانتک رعایت فرمائی ہے کہ آپکا حکم ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی پہناؤ

اور جب وہ کھانا پکا کر لائے تو اُسکو اپنی ساتھ بٹھلا کر کھلاؤ عین وصال کیوقت میں آپکی آخری وصیت یہ تھی بالصلاۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز کا خیال رکھو اور اُن غلاموں کا بھی جو تمہارے ہاتھونکے نیچے ہیں اس سے زیادہ اور کیا رعایت ہو سکتی ہے اور بحمد اللہ حضرات صحابہ و تابعین اور اکثر سلاطین اسلام نے غلاموں کیساتھ یہی برتاؤ کیا اگر کسی ایک نے دو نے اسکے خلاف عمل درآمد کیا تو وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اسلام پر اُس سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ آجکل مخالفونکو اسلام پر اعتراض کرنیکی جرأت زیادہ تر ہمارے افعال کو دیکھ کر ہو رہی ہے وہ ہمارے افعال کو دیکھ کر محض تحکم سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہوگا حالانکہ ہمارے اندر آجکل جو کچھ خرابی اعمال آرہی ہے وہ کفار کے اختلاط کا یا اُنکے اتباع کا نتیجہ ہے کہ بہت مسلمانوں نے کفار کے طرز عمل اختیار کر لئے ہیں اگر ہم اپنی حالت کی اصلاح کر لیں اور اسلام کی تعلیم کے موافق اپنا طرز عمل بنالیں۔ تو کسی کو اسلام پر اعتراض کی جرأت نہو بلکہ کفار خود بخود اسلام کیطرف منجذب ہونے لگیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ ایک یہودی کیساتھ پیش آیا یہودی کے پاس ایک زرہ تھی حضرت علی نے فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے یہودی نے کہا میری ہے حضرت علی اُسوقت خلیفہ تھے آپنے اپنے ماتحت قاضی کے یہاں جنکا نام شریح ہے دعوی دائر کیا قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا جسکی شان یہ ہے کہ سلطان وقت مدعی ہے اور رعایا کا ایک یہودی مدعی علیہ ہے قاضی نے حضرت علی سے کہا کہ آپ ثبوت پیش کیجئے حضرت علی نے گواہی میں اپنا ایک آزاد شدہ غلام قنبر پیش کیا اور دوسرے گواہ امام حسن پیش کئے قاضی نے فرمایا کہ قنبر کی گواہی تو معتبر ہے کیونکہ وہ آزاد شدہ غلام ہے مگر امام حسن کی گواہی قبول نہیں کیونکہ وہ آپکے بیٹے ہیں اور باپ کی طرفداری میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی اس مسئلہ میں حضرت علی اور قاضی شریح کی رائے میں اختلاف تھا حضرت علی بیٹے کی گواہی کو جبکہ وہ دیندار ثقہ ہو جائز سمجھتے تھے اور حضرت شریح کسی حال میں جائز نہ سمجھتے تھے اسلئے اُنہوں نے امام حسن کی گواہی قبول نکی اور یہودی کی ڈگری کر دی حضرت علی کو یہ فیصلہ ذرا بھی ناگوار نہوا خوش خوش عدالت سے باہر چلے آئے مگر یہودی کو اس فیصلہ پر ایسا تعجب ہوا کہ وہ بدون اسلام قبول کئے نہ رہ سکا وہ بار بار کہتا تھا کہ خلیفہ کا قاضی خلیفہ کو ہرادے اور رعایا کی یہودی کو اُسکے مقابلہ میں جتادے یہ عجیب بات ہے

مخالفوں کو اسلام پر اعتراض کی جرأت مسلمانوں کے افعال کو دیکھ کر ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنے افعال کو اسلام کے موافق بنالیں تو کفار خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوں ... واقعہ

آخر حقانیت اسلام نے اُسکے دل پر اثر کیا فوراً مسلمان ہو گیا بھلا معترضین سے کوئی پوچھے کہ اس یہودی کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا کچھ نہیں صرف صحابہ کا طرز عمل دیکھ کر اسلام کیطرف اُسے کشش ہوئی واللہ اگر ہم لوگ اپنی اصلاح کر لیں تو کفار کی خود بخود اصلاح ہو جائے گی حضرات صحابہ کی تو بڑی شان ہے ہم لوگ جو اُنکے سامنے محض نقال ہیں بلکہ نقل بھی پوری نہیں ہوتی ہم ریل کے سفر میں بار ہا اسکا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہندوؤں پر ہماری باتونکا اور طرز عمل کا بڑا اثر ہوتا ہے اور وہ خود بھی چپکے چپکے اقرار کرتے ہیں کہ انکی طرف دل کو کشش ہوتی ہے یہ لوگ سچے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ چند واقعات اس قسم کے او پر مذکور ہو چکے ہیں۔ لوگ اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے واللہ بالکل غلط ہے اگر مسلمان تلوار کے زور سے لوگونکو مسلمان کیا کرتے تو آج ہندوستان میں جہاں اسلامی سلطنت چھ سو برس تک رہی ہے ایک بھی ہندو باقی نہ رہتا مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اس اعتراض کے متعلق یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے کیونکہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے یقیناً وہ تو تلوار سے مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ اُنسے پہلے تلوار کا چلانیوالا کوئی تھا ہی نہیں تو ثابت ہو گیا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا تاریخ سے ثابت ہے کہ جہاد مدینہ میں آکر شروع ہوا اور اہل مدینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی زیادہ تر مسلمان ہو چکے تھے آخر انکو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا اور مکہ میں جو کئی سو آدمی مسلمان ہوئے اور کفار کے ہاتھ سے اذیتیں برداشت کرتے رہے وہ کس تلوار سے مسلمان ہوئے تھے (پھر ہجرت مدینہ سے پہلے بعض صحابہ نے حبشہ کیطرف ہجرت کی ہے اور وہاں کفار قریش کیساتھ مسلمانوں کا مناظرہ ہوا اور نجاشی شاہ حبشہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زبان سے قرآن سنکر بے تحاشا رونا شروع کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کی گواہی دی اور اسلام قبول کیا اُسپر کسکی تلوار چلی تھی اسیطرح صدہا واقعات تاریخ میں موجود ہیں جنسے ثابت ہے کہ اسلام محض اپنی حقانیت سے پھیلا ہے خصوصاً عرب کی قوم جو جنگجوئی میں شہرہ آفاق ہے وہ کبھی اور کسیطرح تلوار کے خوف سے اسلام کو قبول نکر سکتی تھی اُنکے نزدیک ہار نا مر نا معمولی بات تھی مگر دب کر دین کا بدلنا

۱ جہاد کی حقیقت اور اسکے سمجھنے میں لوگوں کی غلطی کا بیان۔

سخت عیب تھا وہ ہرگز تلوار کے خوف سی اسلام نہیں لاسکتے تھے ۱۲ جامع) اسپر شاید یہ سوال ہو کہ پھر جہاد کسلیئے مشروع ہوا تو خوب سمجھہ لو کہ جہاد حفاظتِ اسلام کیلیئے مشروع ہوا ہے نہ کہ اشاعت اسلام کیلیئے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہی لوگ اس فرق کے نہ سمجھنے کی وجہ سی غلطی میں پڑے ہوئی ہیں۔ جہاد کی مثال اپریشن جیسی ہی کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک متعدی ایک غیر متعدی جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اُسکو تو محللات اورام کے ذریعہ سی دبا دیا جاتا ہی کوئی مرہم لگادیا مالش کردی جس سی وہ دب گیا اور متعدی مادہ کیلیئے اپریشن کیا جاتا ہی اُسکو چیر کر نکالدیا جاتا ہی اسیطرح دشمنانِ اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جنسے صلح کر لینی مناسب ہوتی ہی وہ صلح کرکے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں انسے تو صلح و مصالحت کر لیجاتی ہی بعض ایسے موذی و مفسد ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے یہ مادۂ متعدیہ ہی انکے واسطے اپریشن کی ضرورت ہی اسی کا نام جہاد ہی پس جہاد سی لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں ہی بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے لوگ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کو بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیا ہی یہ بالکل غلط ہی عالمگیر پابند شرع تھے بارہ ہزار متن احادیث کے حافظ تھے قرآن لکھہ لکھہ کر ہدیہ کرکے گذارہ کرتے تھے اپنی خرچ میں خزانہ کا ایک پیسہ نہ لاتے تھے اُنکے سامنے لا اکراہ فی الدین کا حکم موجود تھا وہ اسکے خلاف عمل کیونکر کرسکتے تھے۔ یہ تو پہلے واقعات تھے انسے قطع نظر کرکے میں پوچھتا ہوں کہ اچھا اسوقت جو لوگ ہندوستان میں اسلام لاتے ہیں وہ کیوں مسلمان ہوتے ہیں اُنپر کونسی

۲ سلطان عالمگیر پر مخالفین کا اعتراض اور اسکا جواب۔

تلوار کا زور ہے یقیناً اسوقت کسیطرح بھی اُنپر زور نہیں ہی بلکہ ہر طرح آزادی ہے نہ ہم اُنکو کسیطرح کی طمع دلاتے ہیں مسلمانوں کے پاس اتنا مال ہی نہیں جو وہ طمع دلاکر کسیکو مسلمان کریں بلکہ حالت یہ ہی کہ آج کوئی نومسلم اسلام لایا تو کل کو اُس سی بھی دینی کاموں میں چندہ مانگتے ہیں اور اگر کوئی شخص اسلام لاتے وقت ہم سی روپیہ کی درخواست کرے تو ہم صاف کہدیتے ہیں کہ تم اپنی نجات کیواسطے اسلام لاتے ہو تو لاؤ ورنہ ہمکو لالچ کیساتھ مسلمان کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ جو دولت ہم تمکو دیتے ہیں اُسکے مقابلہ میں

۳ جو لوگ اب مسلمان ہوتے ہیں انپر کسکی تلوار کا زور ہے۔

ع اور اُنکے متعلق اُن تاریخوں کا بیان ہمپر حجت نہیں ہوسکتا جو بعض متعصب انگریزوں نے لکھی ہیں کیونکہ ہم تو مسلمانوں میں بھی ہر مؤرخ کو معتبر نہیں سمجھتے جبتک کہ وہ شرعی قواعد کے موافق ثقہ نہو پھر مخالفین کی تاریخوں کو ہم کیسے حجت تسلیم کرسکتے ہیں ایسی تاریخوں کا رد بعض مستقل رسالوں میں شائع بھی ہوگیا ہے ۱۲ جامع۔

تو اگر تم خود ہمکو نذرانہ دو تو بجا ہی لیکن باوجود اس آزادی اور استغناء کے پھر بھی بہت لوگ اسلام
لاتے ہیں اور لا رہے ہیں اور اسلام لاتے ہی اُنکی ایسی حالت ہوتی ہی کہ گویا بچھڑا ہوا محبوب اُنکو
مل گیا ایک ہندو اسلام لانیکے بعد خدا کی محبت اور اُسکی یاد میں اسقدر روتا تھا جسکا بیان
نہیں اور کہتا تھا کہ مجکو تو اب معلوم ہوا کہ خدا کسے کہتے ہیں غرض اُسکی عجیب حالت تھی یہ ہیں
محاسن اسلام جنکو میں نے مختصراً بیان کر دیا ہی یہ موٹی موٹی باتیں ہیں انکو تبلیغ کے وقت
بیان کرو اور اگر کوئی فلسفی زیادہ اُلجھے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اسبات کی ہمکو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خبر دی ہی یا حکم دیا ہے اور آپ خدا کے رسول ہیں اور آپکی رسالت وصدق دلائل
سے ثابت ہی اگر ہمکو حضور کی رسالت میں شبہ ہی تو ہم اسکو دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں جب آپکی
رسالت ثابت ہو جائیگی تو آپکے سارے احکام کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اور منجملہ اُنکے ایک یہ حکم
ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ میرے دین کے سبب ادیان منسوخ ہو گئے ہیں اب اسلام کے بغیر نجات
نہیں ہو سکتی بس فلسفیوں کو اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے ہاں اگر کوئی منصف ہو تو اُسکے
سامنے یہ محاسن بھی بیان کر دیے جائیں ایک ثبات آثار محاسن اسلام میں سے یہ ہی کہ ہر مذہب کا
پورا اثر اُسکے خواص متبعین میں ہوا کرتا ہے پس خواص اہل اسلام اہل اللہ اور علماء متقین کا
موازنہ دوسرے مذاہب کے خواص سے کر لیا جائے اور اُنکے پاس ایک دو ہفتہ رہکر اُنکی حالت کو
دیکھا جائے دعوی سے کہا جاتا ہے کہ انشاء اللہ خواص اہل اسلام تمام دنیا کے مذاہب کے
خواص سے افضل ہونگے عبادت خداوندی محبت الٰہی ذکر و فکر خشیت و رغبت آخرت کا جو
اثر اُنمیں نمایاں ہوگا کسی مذہب کے خواص میں اُسکا پتہ بھی نہ ملیگا اُسوقت ظلمت و نور میں
کھلا ہوا فرق نظر آئیگا لو یہ میں نے ایسی آسان صورت بتلا دی جس سے ہر شخص حق و باطل میں امتیاز
کر سکتا ہی یہ ہیں محاسن اسلام انکی تبلیغ کرو اور اس وعظ کا نام بھی مضامین کی مناسبت سے
محاسن اسلام ہی رکھتا ہوں اب ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمکو فہم سلیم عطا فرماوے اور مسلمانوں کو
تبلیغ اسلام کی توفیق دے اور جو مسلمان فتنۂ ارتداد میں گمراہ ہو گئے ہیں اُنکو دوبارہ اسلام کیطرف ہدایت
دے اور جنپر خطرہ ہو خدا اُنکو اس بلا سے محفوظ رکھے آمین وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ
وصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تمت

فہرست مضامین وعظ ہذا